میں حواشی بڑھائے ہیں، لیکن یہ تشریحات بہ کثرت الفاظ میں سے محض معدودے چند کی ہوسکی ہیں، توقع ہے کہ دوسری جلدوں میں اسکا خاص طور پر لحاظ کیا جائے گا، کہ کتاب کے افادہ کے زیادہ امکانات پیدا ہوں،

شعرستان، از جناب سید محمود اعظم فہمی ترمذی حجم ۱۲۰ صفحات تقطیع چھوٹی پتہ مکتبہ جامعہ دہلی قیمت عمر

یہ جناب سید محمود اعظم فہمی کے کلام کا منتخب مجموعہ ہے، جس میں مختلف اخلاقی و ادبی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں، حضرت جگر مرادآبادی نے اشارات کے عنوان سے اس مجموعہ کا تعارف لکھا ہے، اور کلام فہمی کی تحسین کی ہے،

مسلمان بیبیاں مرتبہ جناب اعجاز الحق قدوسی، ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۶ر پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

یہ گویا اسوۂ صحابیات کا ایک مختصر خاکہ ہے، جو دلآویز انداز میں تیار کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ مسلمان لڑکیوں کیلئے مفید ہوگا،

چالیس حدیثیں مرتبہ جناب خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی استاذ جامعہ ملیہ ناشر مکتبہ جامعہ دہلی ضخامت ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۲ر

زمانہ سلف سے چہل احادیث کے مجموعے تیار کرنے کا دستور چلا آتا ہے، اس رسالہ میں جناب مؤلف نے یہ جدت کی ہے، کہ بچوں کے لئے علحدہ علحدہ چالیس اخلاقی و معاشرتی عنوانوں پر حدیثیں جمع کی ہیں، اور انھیں اس نام سے موسوم کیا ہے، رسالہ بچوں کے پڑھنے کے لائق ہے،

کرشن جی از جناب رئیس احمد صاحب اسلامیہ ہائی اسکول، بریلی، ۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ار ناشر بچوں کا کتبخانہ، نمبر ۵ کلائیو روڈ، نئی دہلی،

اسمیں بچوں کیلئے کرشن جی کے اجمالی سوانح آسان زبان میں لکھے گئے ہیں،

"ر"

جلد ۳۷ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۶ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

آج سے ۱۸ برس پہلے معارف بابتہ ماہ نومبر ۱۸ء میں مسلمانانِ ہند کے نظامِ شرعی کا ایک مفصل خاکہ پہلی مرتبہ پیش کیا گیا تھا، پھر ماحول کے لحاظ سے یہ تحریک اٹھائی گئی کہ اگر اسلامی محکمۂ قضا کا قیام دشوار ہو تو برطانوی ہند کے مسلمان حکام کے ذریعہ یہ خدمت لیجائے، اور مسائلِ نکاح وطلاق کے وہ اسلامی قوانین موجودہ قانونِ ملکی میں شامل کرلئے جائیں جو بدقسمتی سے موجود نہیں ہیں، اس کا کم سے کم یہ اثر مترتب ہوا کہ یوپی کونسل کی مقررکردہ مجلسِ نکاح وطلاق کی چند مجلسیں ہوئیں، لیکن اس کا مرتب کردہ مسودہ قانون آج تک زیرِ غور ہے، پھر جب ایک غیر مسلم محرک کی تحریک سے نابالغوں کے نکاح کا مسودہ اسمبلی میں آیا تو معارف نے اس کی طرف ملک کو دوبارہ متوجہ کیا، خدا کے فضل سے اس وقت تک علمائے دین کی ایک کارفرما جماعت جمعیۃ العلماء، قومی وملی مسائل کی نگہبانی کے لئے تیار ہوچکی تھی، معارف نے نومبر ۲۸ء میں اس مقدس جماعت کو اس طرف متوجہ کیا، پھر دسمبر کے پرچہ میں ۱۸ء کی تحریک نظامِ شرعی کی تجدید کی اور پانچ چھ نمبروں میں مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ کے عنوان سے ان کے مختلف پہلو نمایاں کئے، مقامِ مسرت ہے کہ اسی وقت سے مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ ومولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار نے اس مسئلہ کو جمعیۃ العلماء کی توجہ کا خاص مرکز قرار دیا، اور انہی ارباب فکر کی مساعی سے اسمبلی کے مسلمان اراکین نے اس ضرورت کا احساس کیا، چنانچہ جناب غلام بھیک صاحب نیرنگ اور جناب محمد احمد صاحب کاظمی نے کم سے کم مسلمان عورتوں کے حقوقِ فسخِ نکاح کی حفاظت کے لئے ایک مسودۂ قانون اسمبلی میں بھیج کر وائسرائے کی ضابطہ کی منظوری حاصل کرلی،

لیکن اتفاقاً اس ابتدائی مسودہ میں وہ روح موجود نہ تھی جو کم سے کم ہندوستان کے مسلمانوں کے نظامِ شرعی

کا بدرجۂ اتم قائم مقام بن سکتی، اس لئے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے ایک جداگانہ مسودہ قانون مرتب کرکے شائع کیا، جس میں اس مسودہ کی خامیاں دور کردی گئیں، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جناب محمد احمد صاحب کاظمی نے خوشی دل سے اس نئے مسودہ کو قبول کرکے اسی کی بنیاد پر اسمبلی میں ایک دوسرا مسودہ تیار کرکے بھیج دیا، اور اس کے بعد جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ نے بھی ۳ر فروری کو مرادآباد کے اجلاس میں اس مسودہ کی علانیہ تصدیق کردی، اگرچہ اس نے غایت احتیاط میں ایک مستقل مسودۂ قانون مرتب کیا ہے، تاہم ہم نے جناب کاظمی کے ترمیم شدہ اور جمعیۃ العلماء کے مرتب کردہ دونوں مسودوں کو بامعان، لفظ بلفظ ملاکر دیکھا، اور ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی جب ہمیں بجز ایک اصولی مسئلہ اور ایک دو جزوی بلکہ لفظی اختلاف کے لفظاً ومعنیً دونوں میں کوئی فرق نظر نہ آیا، اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب کاظمی کے ترمیم شدہ مسودہ قانون کو جمعیۃ العلماء کی متفقہ حمایت حاصل ہوگئی ہے، والحمد للہ علیٰ ذٰلک،

مسلمانوں کو اس وقت سب سے بڑی ضرورت سرجوڑ کر کام کرنے ہی کی ہے، علماء و محرکین مسودہ میں صرف نکاحِ مرتدہ کے فسخ نہ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے، لیکن جناب کاظمی صاحب کے ایک تشریحی بیان سے اس اختلاف کا اندیشہ بھی جاتا رہا ہے کہ ان کے بیان کے مطابق "چونکہ مسودہ کو پیش ہوکر پاس ہونے میں ابھی عرصہ لگیگا، اور اس میں مزید غور کی گنجائش ہے، اگر حضرات علماء نے متفقہ یا بکثرت اس کو نامنظور کردیا تو یہ دفعہ خارج ہوجائے گی"،

چونکہ جمعیۃ العلماء نے اپنے مسودہ میں اس دفعہ کو حذف کردیا ہے اس لئے اب اس دفعہ کے افادہ ونقصان کے پہلوؤں پر غور کرنا بے سود ہے، اسے تائید ایزدی سمجھنا چاہئے کہ ایسے مسائل میں جنہیں بکثرت فرقہ وارانہ شاخسانے نکل سکتے تھے، رشتۂ اتفاق ہاتھ آگیا ہے، اس لئے ہمیں توقع ہے کہ مسودۂ قانون کے لائق محرک اسمبلی میں اس کے پیش ہونے کے وقت اس دفعہ کو حسب اعلان واپس لے لیں گے، اسمبلی کے موجودہ سشن کے نئے مسلمان اراکین لائق صد ستائش ہیں، کہ ان کی مساعی سے قانون فسخ نکاح وقانون شریعت جیسے مفید مسودے اس وقت اسمبلی

میں پیش ہیں، خداوند تعالیٰ انکی مساعی کو بارآور فرمائے،

آل انڈیا اورینٹیل کانفرنس کے اجلاس میسور کی افتتاحی کاروائیوں کا تذکرہ ماہ جنوری کے ان صفحات میں کیا جاچکا ہے، اس سال اس کے شعبۂ اسلامیات کی صدارت کی خدمت جناب ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے انجام دی، موصوف نے اپنے پرمغز خطبہ میں اسلامی تہذیب و تمدن اور اسکی اشاعت و وسعت پر عالمانہ نظر ڈالی ہے، اس سلسلہ میں ہندوستان کے ان متعدد علمی ادارون کا جو تحقیق و تدقیق، درس و تدریس اور اشاعت علوم کے فرائض کسی طریق پر انجام دے رہے ہیں، تذکرہ کیا ہے، اس ذیل میں موصوف نے دارالمصنفین کو بھی یاد فرمایا ہے، فرماتے ہیں:-

"اسکے بعد ہم دارالمصنفین اعظم گڈہ کا ذکر کرینگے جو مولنا شبلی مرحوم کی یادگار ہے، اس ادارہ نے جس درجہ علوم اسلامی کی تبلیغ اور حمایت میں ہمت صرف کی ہے اور اس کے مفاد کو پیش نظر رکھا ہے، شاید ہی کوئی اور ادارہ اسکی ہمسری کر سکے، اس ادارہ نے تالیفات کا ایک گرانقدر سلسلہ جاری کیا ہے جو اردودان نسلوں کے لئے بے مثال شاہکار کی صورت اختیار کریگا، سیرت النبی اور مشاہیر اسلامی کی سوانحعمریان جو عام مسلمانوں کی ہدایت کیلئے لکھی گئیں وہ اس ادارہ کے لئے سرمایۂ ناز ہیں،۔۔۔ اس ادارہ کی علمی تصانیف کی تعداد اور اہمیت دوسرے اداروں کے مقابل میں بہت بڑھی ہوئی ہے، ہم اب اس ادارے کے مخلص شیدایان علم کی ستایش میں رطب اللسان ہیں، معارف اس ادارہ کا ایک ماہانہ اردو رسالہ ہے، جو اسلامی دنیا کی مختلف سرگرمیون کی نمایندگی کرتا ہے، مولوی سید سلیمان ندوی جنکی صحبتیابی کے ہم متمنی ہیں، اس ادارہ کے روح رواں ہیں، تمام ہندوستان کے مسلمان ان کے اسلامی جوش اور علمی تبحر کے بے حد مرہون منت ہیں"

ادارۂ **معارف اسلامیہ** لاہور کا دوسرا سالانہ اجلاس وسط ماہ اپریل ۳۶ء میں لاہور میں منعقد ہونا قرار پایا ہے، امید ہے کہ ملک کے مختلف حصون کے اکابر اہل علم اس میں شریک ہو کر اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون پر اپنے مقالات سنائینگے،

مارچ ۱۹۳۶ء
جلد نمبر ۳۷

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

(۲)

لطف اللہ مہندس

احمد معمار کے دوسرے بیٹے لطف اللہ مہندس کی اس وقت متعدد یادگارین دنیا میں باقی ہین، اور کہنا چاہئے کہ یہی وہ سپوت ہے جس کے ذریعہ اس کے باپ کا نام دنیا کو معلوم ہو سکا، سندیلوی نے اپنے تذکرۂ مخزن الغرائب میں جو ۱۲۱۸ھ کی تصنیف ہے، مہندس کے بیٹے امام الدین ریاضی کے تحت میں مہندس کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے

"مولوی لطف اللہ مہندس بودہ است، ایشان ہم بگفتن اشعار میل تمام داشتند و مہندس تخلص می کردند، و در علم ریاضی مثل این ہر دو پدر و پسر در بلاد ہند نبودند" (نسخہ قلمی دارالمصنفین صفحہ ۱۵۳)

اور سفینۂ خوشگو میں ہے،

"خلف ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوریست کہ قلعۂ ارک دار الخلافہ شاہجہان آباد بتجویز و صوابدید او بنا یافتہ"

یہی فقرہ حسین قلی خان کے نشتر عشق میں ہے، اسکی سات تصنیفات کے نام ہمکو معلوم ہو سکے ہین جنکے نسخے اس وقت ہندوستان اور یورپ کے کتب خانون میں موجود ہیں، لیکن ان تصانیف کے علاوہ اسکی

عجیب و غریب یادگار اس کا ایک آہنی کتبہ ہے جو سلاطینِ مالوہ کے پایہ تخت مانڈو میں وہاں کے مشہور بادشاہ ہوشنگ غوری (۸۰۸ھ تا ۸۳۸ھ) کے مقبرہ کے دروازہ کے داہنے ہاتھ پر لگا ہوا ہے، یہ ۱۲ انچ لمبا اور ۴½ انچ چوڑا کتبہ ہے، جس میں بخطِ خفی حسب ذیل عبارت چار سطروں میں منقوش ہے،

۱۔ بتاریخ نہم ربیع الثانی سنہ ہزار و هفتاد ہجری،

۲۔ فقیر حقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار شاہجہانی،

۳۔ و خواجہ جادورائے و استاد شیورام و استاد حامد،

۴۔ بجہتِ زیارت آمدہ بود،

اثریاتِ ہند کے ماہر جناب ظفر حسن صاحب بی اے (محکمۂ آثار قدیمہ ہند) نے مانڈو کے کتبات پر انگریزی میں جو مقالہ لکھا ہے، اس میں یہ کتبہ سترہویں پلیٹ پر چھاپ دیا ہے، اور وہ اس وقت میرے سامنے ہے، غالباً ان معمار سیاحوں کے لئے اس کتبہ کے یہاں لگانے کا محرک یہ امر ہوا ہے کہ یہاں اکبر بادشاہ نے اپنے سفر و گذر کی تاریخیں ثبت کرائی ہیں، انہیں کو دیکھ کر ان معماروں نے بھی اپنا یادگاری کتبہ لگا دیا، اس کتبہ سے متعدد باتوں پر روشنی پڑتی ہے،

۱۔ اس عہد کے استادانِ تعمیر دوسری عمارتوں کو بھی فن کی حیثیت سے دیکھنے کے لئے جایا کرتے تھے،

۲۔ ہندو مسلمان باکمالوں میں فن کی یکجہتی کا رشتہ خاصہ مستحکم اور مضبوط تھا،

۳۔ ہندو شاہی معماروں کے ناموں کے ساتھ خواجہ اور استاد کا بولنا کیسا عام تھا، خواجہ جادورائے اور استاد شیورام بھی کیسی عزت کے الفاظ تھے،

۴۔ لطف اللہ مہندس گو شاعر و مصنف تھا، تاہم اس میں اس کے موروثی فن تعمیر کا ذوق اتنا تھا کہ وہ دوسرے معماروں کے ساتھ کسی عمارت کے دیکھنے کے لئے سفر کی زحمت گوارا کر سکتا تھا،

لطف اللہ کی جن سات کتابوں کے نام ہم کو ملے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ صورِ صوفی،

۲۔ رسالہ خواصِ اعداد،

۳۔ شرح خلاصۃ الحساب،

۴۔ منتخب الحساب؛

۵۔ تذکرۂ آسمانِ سخن،

۶۔ دیوانِ مہندس،

۷۔ سحرِ حلال،

پہلی کتاب ہیئت میں اور بعد کے تین رسالے علم حساب میں ہیں، اور دوسری کو چھوڑ کر کہ وہ عربی میں ہے، بقیہ چھ کی زبان فارسی ہے، جن میں سے تین اول الذکر اور آخری نثر میں ہیں، اور چوتھی اور پانچویں دو کتابیں نظم میں، اب ذیل میں ہم ہر ایک تصنیف پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں،

۱۔ صورِ صوفی: مشہور مسلمان ہیئت دان عبد الرحمٰن الصوفی المتوفی ۳۷۶ھ نے ستاروں کے اشکال و صور پر جو بلند پایہ تصنیف صور الکواکب کے نام سے لکھی تھی، لطف اللہ نے ۱۰۵۰ھ میں اپنے باپ احمد معمار کے حکم سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی عمر کا پہلا کام ہے کہ اس کا دیباچہ کسی بادشاہ کے نام کے بجائے خود اس کے باپ کے نام نامی سے مزین ہے، اور اس میں یہ نوجوان مصنف یہ ظاہر کرتا ہے، کہ اس کی محنت کا بہترین صلہ یہ ہے کہ اس کا باپ اس کے اس کام کو دیکھکر خوش ہو، اس کتاب کا اصل مسودہ جو خود لطف اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہے، مسلم یونیورسٹی لائبریری (نمبر ۱۳ فارسی علوم) میں موجود ہے، دیباچہ کی عبارت یہ ہے،

"درخشندہ ترین کواکبی کہ از مشرقِ طبع بر فلکِ ظہور آمد حمد مبدعی و شکر مخترعی ....

اما بعد چنین گوید محتاج الی اللہ القادر الغفار، لطف اللہ بن احمد المعمار، مد اللہ ظلہ علی رؤس الاولاد

بحرمتہ النبی وآلہ الامجاد کہ چوں اشارۂ آنحضرت بسوے ایں فقیر حقیر شد کہ کتاب عمدۃ الاسلام قدوۃ الانام مولانا عبدالرحمٰن ابن صوفی افاض اللہ علیہ شآبیب الغفران و سکنہ فرادیس الجنان، کہ در معرفت نجوم ثابتہ کتابیست معتمد و رسالہ ایست کافیہ، بجہت عموم فائدۂ کلام، و سہولتِ فہم مرام، بعبارت فارسی سادہ ترجمہ کردہ آید، تا بر ترغیبِ خاطرِ فارسی خوانانِ حقیقت طلب باعث تر شود، کمرِ اطاعت برمیان جان بستہ، دست رابنوشتن نگارین کرد، امید کہ باین بہجۂ مرضیہ من درعقبیٰ ماجور، و ترجمۂ من در دنیا مقبول باشد، و طالبانِ ایں فن ازیں ترجمہ مستفید شوند، چنانکہ از اصل ایں، و اگر خطائے باشد اصلاح فرمایند، الحمد للہ والمنۃ کہ در فرصتے اندک ہگی بوجہ احسن و شائستہ میسر شد، و سنہ یکہزار و پنجاہ ہجری اتمام پذیرفت، اما احسن و شائستہ تر وقتی کہ از نظرِ مبارکِ والدِ بزرگوار من بگذرد، و بعینِ عنایت و چشم مکرمت نگاہ کنند و قبول فرمایند"

خاتمہ کی عبارت :-

. . . ہزار در ہزار حمد ایزد دادار کہ ترجمۂ کتاب صورِ صوفی حسب الحکم قبلۂ صورت و معنی کعبۂ ظاہر و باطن خداوند حقیقت و مجاز، ابویم المسمیٰ باحمد المخاطب بنادر العصر سلمہ اللہ تعالیٰ من بلیات الزمان و آفات الدہر باخر رسید و اتمام پذیرفت؛

بقلم شکستہ رقم لطف اللہ کہ مؤلف ایں رسالہ و مترجم ایں مقالہ است، کتاب باتمام رسید الحمد للہ علی نعمائہ والصلوٰۃ علی انبیائہ لاسیما علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، واغفر لی ولوالدی بحرمتہم یا ارحم الراحمین"

کتاب کے آخری صفحہ پر آفتاب اور سہا کی مناسبت سے کچھ فقرے مشق کئے گئے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی یادگار کے طور پر اس گھر کے ارکان نے محفوظ رکھا تھا، یہ مشق میرے خیال میں اس کے بھائی عطاء اللہ کے قلم سے ہے، کہ آخر میں ایک شعر میں جو اوپر عطاء اللہ کے حال میں نقل کیا جاچکا ہے، اس کا نام لکھا ہے:

۲- **رسالۂ خواصِ اعداد**، یہ فارسی میں علم حساب پر سات صفحوں کا رسالہ ہے، اور چار مقالوں پر منقسم ہے، اس میں اعداد کے خواص اور قیمتوں پر بحث کی گئی ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ کے اندر ہے، جس میں دو رسالے لطف اللہ کے ہیں، اور تیسرا عطاء اللہ کی وہی خلاصہ راز ہے جسکا ذکر اوپر آچکا، (ریو ۴۴۸، ۱۶۷) اس کا آغاز یہ ہے:-

الحمد للہ . . . . می گوید فقیر لطف اللہ متخلص بہ مہندس۔

اس کا دوسرا نسخہ کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد دکن میں نظر سے گذرا ہے، نسخہ جدید الخط ہے، ۱۲۶۷ھ میں نقل ہوا ہے، آغاز یہ ہے،

"الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، اما بعد، میگوید فقیر لطف اللہ متخلص بہ مہندس، ابن استاد احمد لاہوری کہ این رسالہ ایست مختصر در علم ارسماطیقی (ارثماطیقی) یعنی خواصِ اعداد، بدان اسعدک اللہ فی الدارین،"

اس رسالہ کا کوئی خاص نام نہیں معلوم ہوتا، کتبخانۂ سعیدیہ میں اسکا نام رسالہ ارسماطیقی مندرج ہے، اور اسی نام سے یہ رسالہ خاندانِ دیوان مدراس کے کتبخانہ میں بخط مولوی محمد غوث شرف الملک موجود ہے۔

۳- **شرح خلاصۃ الحساب**، علم حساب میں بہاء الدین محمد بن حسین آملی المتوفی ۱۰۳۰ھ کی مشہور عربی تصنیف خلاصۃ الحساب کی ممزوج شرح ہے، اس کی شرحیں متعدد علماء نے لکھی ہیں، جنمیں خود اس کے معاصر عصمۃ اللہ سہارنپوری کی عربی شرح جو ۱۰۸۶ھ میں لکھی گئی ہے، بہت مفصل ہے، اور چھپ بھی چکی ہے اور جس کا نام انوار خلاصۃ الحساب ہے، دوسری یہ لطف اللہ مہندس کی ہے، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے، (نمبر ۱۶، مخطوطات عربی) اس میں مصنف کا نام لطف اللہ المتخلص بالمہندس ابن الاستاذ احمد المعمار، لکھا ہے، اور اس کا آغاز ان لفظوں سے ہے، الحمد للہ الواحد الفرد الصمد، یہ نسخہ ایک خاص حیثیت سے ممتاز ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا، اس کتاب کا دوسرا نسخہ ہندوستان میں

رامپور کے کتب خانہ میں ہے (نمبرہ ۴ ریاضی) اس نسخہ کے صفحات کی تعداد ایک سو بیس ہے،

۴۔ **منتخب**، یہ بہاء الدین آملی کی مذکورۂ بالا تصنیف خلاصۃ الحساب کا فارسی ترجمہ اور خلاصہ ہے، انگلستان اور ہندوستان میں اس کے متعدد نسخے ہیں، دو نسخے انڈیا آفس کے کتبخانہ میں ہیں، تیسرا برٹش میوزیم لائبریری میں، چوتھا کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں[1]، پانچوان مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں، چھٹا جامعۂ ملیہ دہلی میں اور ساتواں کتبخانۂ دیوانِ مدراس میں بخط سید محمد قاسم مکتوبہ ۱۲۱۸ھ ہے، اس رسالہ کا منتخب نام تاریخی ہے، اس سے ۱۰۹۲ھ کی تاریخ نکلتی ہے، مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب خاندانِ وزارت کے رکن رکین میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ کی فرمایش سے لکھی گئی ہے،

اس کا آغاز اور دیباچہ حسب ذیل ہے :۔

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد می گوید فقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار لاہوری غفر اللہ لہ ولوالدیہ، واحسن الیھما والیہ، کہ کتاب حساب را کہ تصنیف است از محقق وتحریر مدقق شیخ بہاء محمد بن حسین عاملی (آملی) رحمۃ اللہ علیہ مشتمل بر قواعد شریفہ، وفوائد لطیفہ، باشارات خلاصۂ دودمانِ سیادت، منتخب خاندان وزارت میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ ادام اللہ اقبالہ وضاعف اجلالہ ترجمہ کردم کہ چون آن نسخہ خلاصہ نام داشت این نسخہ را منتخب نہادم . . . نام تاریخ تالیف این رسالہ است و این رسالہ بنا بر ترتیب کتاب مرتب است بر مقدمہ وابواب،

آخر میں ایک حسابی مسئلہ کا حل نظم میں ہے، جس کا خاتمہ ان دو شعرون پر ہے، ؎

منکہ ہستم فقیر لطف اللہ | بمہندس شہیر در افواہ
خاکپائے ہنروران کبار | پور استاد احمد معمار

[1] برٹش میوزیم کے نسخہ کا نمبر ۱۷۴۸۴ اور انڈیا آفس کے نسخہ کا ۲۲۵۳ اور ۲۲۵۴ اور آصفیہ باب ریاضیات فارسی کا ۲۱۱ ہے،

انڈیا آفس لائبریری کا نسخہ نمبری $\frac{2254}{5}$ ۳ر شعبان ۱۱۴۵ھ کا لکھا ہوا ہے، اور حیدر آبادی نسخہ کی تاریخ ۱۲۴۳ھ ہے، اور کتبخانہ میں اس کا نمبر ۲۱۱ ریاضیات فارسی ہے، مسلم یونیورسٹی کا نسخہ سبحان اللہ خان لائبریری میں ہے، اس کا نمبر $\frac{511}{16}$ ہے، اور وہان اس کا نام ترجمۂ خلاصۃ الحساب ہے، اور کتابت کا سال ۱۲۳۹ھ ہے، جامعہ ملیہ کے نسخہ کا نمبر ۶، سلسلۂ مخطوطات ہے، اور تاریخ سے خالی ہے،

۵۔ **آسمان سخن**، دولت شاہ سمرقندی کا فارسی شعرا کا تذکرہ جو ۸۹۲ھ میں تالیف پایا ہے، باایں ہمہ اغلاط دلچسپ ضرور ہے، اور اسی لئے اہل سخن کی محفلون میں اس کا تذکرہ رہا کیا ہے، یہ کتاب فارسی نثر میں ہے، اور سات طبقوں پر منقسم ہے، اکبر کے زمانہ میں فانضی کرمانی نام ایک شاعر نے اس کو نظم کر ڈالا، اور سات طبقون کے بجائے اس کو دس طبقون میں مکمل کیا، لطف اللہ مہندس نے فانضی کے نسخہ میں دو اور طبقوں کا اضافہ کرکے اس کو ۱۲ طبقون میں پورا کر دیا، اور بارہ برجون کی مناسبت سے اسکا نام آسمانِ سخن رکھا،

یہ تمام واقعات لطف اللہ مہندس نے کتاب کے دیباچہ میں ذکر کئے ہیں، اس کا نسخہ شاہِ اودھ کے کتبخانہ میں تھا، ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتب خانہ کی فہرست میں صفحہ ۱۱۶ پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اب کسی اور کتب خانہ میں اس کا نشان نہین ملتا، معلوم نہیں گردشِ چرخ نے اس آسمانِ سخن کو کس خاک میں ملا دیا؛ لطف اللہ مہندس کے اس اضافہ میں کل ۲۵۰ بیتین تھین، ایک ایک بیت میں ایک ایک شاعر کا بیان تھا، اس کا پہلا شعر یہ تھا.

نخست شکر خدائے کہ آسمانِ سخن | بیافرید محیطانہ آسمانِ کہن

فہرست مذکور میں ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کے بارہویں طبقہ کے ۱۳ شعر نقل کئے ہیں، ان شعرون میں شاہجہانی شعراء کے نام نظم کئے گئے ہیں، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ لطف اللہ نے دورِ اکبری کے بعد جو دو طبقے بڑھائے تھے، ان میں سے پہلے میں جہانگیری عہد کے اور دوسرے میں شاہجہان کے زمانہ کے سخنورون کے نام ہونگے، وہ ۱۳ شعر یہ ہین،

وحید دہر آمانی ابن مہابت خاں ۔۔۔ ولے بخانِ زمان است شہرۂ دوراں

دگر یگانہ ظفر خان تخلص احسن ۔۔۔ ربودہ گوئے سخن از سخنوراں در فن

دگر وحیدِ زمن آشنا عنایت خاں ۔۔۔ بود بجرِ سخن آشنا عنایت خاں

دگر وحید زمن شادمانِ غم پرور ۔۔۔ بیانِ شادی غم در کلام او مضمر

دگر سخنورِ کشمیر محسنِ فانی است ۔۔۔ بقاے نام وی از دولتِ سخندانی

مہِ سپہر سیادت یگانہ میر عماد ۔۔۔ کہ بود در غزل و مدح و مثنوی استاد

لبیبِ عصر محمد حسین آشوب است ۔۔۔ سخنوری کہ سخنہاش جملہ مرغوب است

دگر وحید زمان است طالبائے کلیم ۔۔۔ کہ شعرِ او یدِ بیضا است نزدِ طبعِ سلیم

دگر فریدِ جہاں قدسی محمد خاں ۔۔۔ بعہدِ شاہجہاں گو ربودہ از اقراں

الٰہی ہمدانی است در سخن استاد ۔۔۔ سخنورے است کہ دادِ سخنوری می داد

لبیبِ ازمنہ اٰمی نخواندہ ہیچ کتاب ۔۔۔ زفیضِ حق شدہ مفتوح بر رخش صد باب

دگر وحیدِ زمن باقیا ترانہ او ۔۔۔ خوشست ہمچو غزلہاے عاشقانہ او

فصیحِ ازمنہ فیضا کہ چوں غزل میگفت ۔۔۔ چو عندلیبِ غزلخواں درو گہری سفت

نویں شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ لطف اللہ نے یہ دادِ سخن عہد شاہجہانی (۱۰۶۸ھ) کے بعد دی ہے،

۲۰۔ دیوان مہندس یہ پورا دیوان چھوٹی تقطیع کے چھیانوے ۹۶ صفحوں میں ہے، سب سے پہلے دیوان کے شروع میں دس صفحوں میں چار قصیدے ہیں، پہلا نعت میں ہے، دوسرا دارا شکوہ کی، اور تیسرا شاید دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان کی مدح میں ہے، اور چوتھا کسی معشوق کا سراپا ہے، اس کے بعد نئی بسم اللہ سے غزلیں شروع ہوتی ہیں، جو حروف تہجی پر مرتب ہیں، یہ گیارہویں صفحہ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۷ پر تمام ہوئی ہیں، پھر نئی بسم اللہ سے وہ مثنوی شروع ہوتی ہے جس میں اس نے اپنے خاندان کا احوال

لکھا ہے، پھر ایک دو مختصر مثنویان اور چند قطعے ہیں، جن میں سے دو چار قطعے تاریخی ہیں، پہلے نعتیہ قصیدہ کی تشبیب بہت پرزور ہے،

خسروِ مہر چو بنشست بر اورنگِ عمل ۔۔۔ رستمِ روز در اقلیم شب افگند خلل

رومیِ روز بر افراختہ رایت بصاف ۔۔۔ زنگیِ شب سپر انداخت بہنگامِ جدل

کیمیا ساز نبود است گر ایں عاملِ روز ۔۔۔ مسِ شب را بزرِ روز چرا کردہ بدل

روز افزودہ و شب کاستہ ز آنرو کہ مہر ۔۔۔ کردہ آئینۂ ایام دیالی صیقل

سنگ از تربیت مہر شود لعل و کنوں ۔۔۔ انگر از تربیتش لعل شود در منقل

وقت آن ست کہ در قافلہ از فیضِ بہار ۔۔۔ آبِ زمزم شود اکنون نمی باب بدل

وقت آنست کہ واعظ چو نہد مجلسِ وعظ ۔۔۔ صورتِ شیشہ شود نسخۂ واعظ بہ بغل

اس قصیدہ کے آخر میں شاعر نے اپنا اور اپنے باپ کا نام اور اپنے مشاغل تدریس و تدریس کا ذکر کیا ہے،

دلِ دانائے مرا فخر بعلم است و بفضل ۔۔۔ جاہل است آنکہ بناز د بحلی و بحلل

باش لطف اللہِ احمد چہ کنی فخر بعلم ۔۔۔ جہل ازیں علم تو بہتر کہ نیاید بعمل

عمرِ در درس بسر بردی و در آخر کار ۔۔۔ ہیچ حاصل نہ شد از مدرسہ جز بحث و جدل

دارا شکوہ کے مدحیہ قصیدہ میں اپنی مدح خود ان شعروں میں کرتا ہے،

مہندسم کہ کنم صورتِ فلک تصویر ۔۔۔ کشم بروے زمیں گر خطوطِ پرکاری

چناں بلند نہادم اساسِ قصر خرد ۔۔۔ کہ بر سپہر زنم طعنۂ نگونساری

چناں منیر شود شبہ عمارت من ۔۔۔ کہ نورِ مہر بود نزدِ نورِ او تاری

دمی کہ من بعمارت گری شوم مشغول ۔۔۔ ملک مصالح کار آورد بسرباری

بدستیاریِ لطفِ شہِ بلند اقبال
بلند پایہ زمن گشت قدرِ معماری

بہر مرتبہ دار اشکوہِ دریا دل
کہ ہمچو ابر کفش می کند گہر باری

بعہد دولتِ تو راجہ ہاے کوہستان
زفرقِ خویش نہادہ کلاہِ جباری

بیک نگاہ کہ کردی بسوے کوہستان
گرفتہ پست و بلندیِ کوہ ہمواری

ان اشعار میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کا پتہ موجودہ تاریخوں مین نہیں چلا، لطف اللہ مہندس کے اکثر اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نام و نمود کا حریص اور معماری جیسے پیشہ سے اپنے کو بلند سمجھتا ہے، چنانچہ اس قصیدہ میں وہ کہتا ہے،

شہا اگرچہ عمارت گریست پیشۂ من
وگرچہ نیست ضمیرم ازیں ہنر عاری

کنوں کہ ملک دلم شد خرابِ عشق بتاں
تو خود بگو کہ چہ نسبت مرا بمعماری

غزلوں کا عام انداز وہی ہے، جو اس عہد کے دوسرے ملا شاعرون کے کلام میں ہے، زبان میں کہیں کہیں ہندیت ہے، اس کے مقطعون میں خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس میں مہندس کی مناسبت سے کوئی بات ضرور پیدا کرتا ہے، مثلاً

مہندس اگرچہ آگہ بود زیں پیش
فرامش کرد قانون شفا را

باشد زفلک مہندس آگاہ
باآنکہ نشستہ بر زمین است

اے مہ بے مہر در چشم مہندس بے رخت
از حضیضِ خاک تا اوجِ ثریا آتش است

رو مہندس بعلم یک دو سہ شکل
ایں ہمہ افتخار بے معنی است

اے مہندس رو کہ در علم نظر
احتیاجِ مسطر و پرکار نیست

ہاں حرف زمیں بگو مہندس
تا کے زفلک کنی حکایت

از مہندس مپرس سرِ فلک
کیں معما زہیچ کس بکشود

ذیل کے مقطعون میں اس مہندس کے لفظ سے کتنا لطیف استدلال کیا ہے،

در حقِ من گمانِ خطامی بری خطاست
ہرگز شنیدۂ کہ مہندس خطا کند

تا کے بشکلِ زمیں خواہی کشید
رو مہندس صورتِ افلاک کش

کہنہ شد آسماں مہندس خیز
تا بناہاے نو نہادہ شود

حسب ذیل غزل اس کے بہترین کلامون میں سے ہے،

یاران ہلالِ عید برآمد نظر کنید
ماہِ صیام رفت مغان را خبر کنید

یاران دگر بکوری مفتی و محتسب
امروز خاکِ میکدہ کحل بصر کنید

آں کس کہ از برآمدنِ مہ خبر کند
او را باحترام دہن پر شکر کنید

اکنون رسید کوکبۂ عیش و انبساط
اے درد و غم زمملکتِ دل سفر کنید

گر در من و نگار مہندس شود حجاب
دستش گرفتہ زود زمحفل بدر کنید

ذیل میں اس کے دیوان کے وہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں، جن سے اس کے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، اس کا نام :-

باش لطف اللہِ احمد چہ کنی فخر بعلم
جہل ازیں علم تو بہتر کہ نیاید بعمل

خواہم کہ کشم بادہ چو لطف اللہِ احمد
تا چند کشم محنتِ دورِ قمری را

ہمچو لطف اللہِ احمد کوسِ دانش می زدم
چوں شدم عاشق بجہلِ خویش کردم اعتراف

ان شعروں میں لطف اللہ اوس کا، اور احمد اس کے باپ کا نام ہے، لاہور اس کا وطن تھا

کے بود آمدنِ قاصدِ فرخندہ پیام
مدتے شد کہ زلاہور نیامد خبرے

ہندسہ و منطق و حکمت میں اس کو غلو تھا،

بر منِ ہیچدان کشف شد از فیضِ ازل
رازِ سر بستہ کہ بر ہندسہ دان مشکل بود

صرف در منطق و حکمت شدہ ایں عمر عزیز — لیک آں نکتہ نخواندم کہ درو حاصل بود

معماری و ہندسی میں نامور تھا،

لطف اللہ معمار ہندس شد و استاد — گر کار درایت نکند پس چہ کند کس

درس و تدریس کا بھی شغل تھا،

عمر در درس بسر بردی و در آخر کار — ہیچ حاصل نہ شد از مدرسہ جز بحث و جدل

کسی شہزادہ کے نام ایک مثنوی ہے جس سے مراد غالباً دارا شکوہ ہے، کہ "شہزادۂ بلند اقبال" کے نام سے وہی مخاطب تھا، اس میں وہ کہتا ہے،

لطفِ شہ می کند مددگاری — ورنہ آگہ نیم ز معماری

خواندہ ام یک دو نسخہ از ہر باب — ہیئت و ہندسہ و نجوم و حساب

نہ نویسم ز بیم بے ادبی — کہ چہا خواندام من از عربی

. . . .

لطفِ شہزادۂ بلند اقبال — گر شود بندہ را معاونِ حال

خدمتِ بندہ را بفرماید — کہ ازو علم رفتہ باز آید

گر یکے از مقربانِ بساط — در دم عیش و در زمانِ نشاط

ایں سخن از مقیم ایں درگاہ — برساند بسمعِ حضرتِ شاہ

اجر باید ز کردگارِ کریم — نہ کہ اجرِ قلیل اجرِ عظیم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارا شکوہ کے توسط سے شاہجہان تک پہنچنا چاہتا ہے، کہیں کہیں غزلوں کے مقطع میں بھی ادھر اشارہ ہے،

ہان مہندس بندۂ شاہِ بلند اقبال باش — آنکہ گر فرماں دہد جمشید فرماں بر شود

ایک مثنوی میں کسی ایسے خانوادۂ وزارت کے کسی رکن کی مدح وہ کرتا ہے، جس کو سیادت کی عزت بھی حاصل تھی،

اخترِ برج حشمت و جلال — گوہرِ درج دولت و اقبال

نیرِ آسمانِ بینائی — آفتابِ سپہرِ دانائی

منبعِ جود مخزنِ احسان — مظہرِ فیض و معدنِ ایقان

زبدۂ دودمانِ مصطفوی — نخبۂ خاندانِ مرتضوی

امرا را شرف امارتِ او — وزرا را شرف وزارتِ او

امرا از امارتش منصور — وزرا از وزارتش دستور

آبِ شرع است سیفِ مسلولش — دستِ عدل است رمحِ معقولش

میرا خیال ہے کہ اس مدح کا موضوع وہی ہستی ہے، جس کے نام پر شاعر نے اپنی کتاب منتخب الحساب لکھی ہے، یعنی "خلاصۂ دودمانِ سیادت، منتخبِ خاندانِ وزارت میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ ادام اللہ اقبالہ و ضاعف جلالہ"،

لطف اللہ اور اس کے بھائیوں کی تصانیف سے یہ ہویدا ہے کہ ان لوگوں کو شاہجہان کے بعد جس سے تعلق رہا ہے وہ شہزادۂ دارا شکوہ ہے، چنانچہ لطف اللہ کے بھائی عطاء اللہ رشیدی نے اپنا رسالہ خلاصۂ راز شہزادہ موصوف ہی کے نام سے معنون کیا ہے، لطف اللہ کے اس دیوان کے اکثر اشعار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اسی شہزادہ کے دربار میں رسوخ و اعتبار حاصل تھا، نعت کے بعد جو پہلا قصیدہ اس دیوان میں ہے، وہ اسی کی مدح میں ہے،

بدستیاریِ لطفِ شہِ بلند اقبال — بلند پایہ ز من گشت قدرِ معماری

سپہر مرتبہ دارا شکوہ دریا دل — کہ ہمچو ابر، کفش می کند گہرباری

اس کی ایک غزل کا ایک مطلع ہے،

گر بادشہ بلطف نظر بر گدا کند بر بادشہ نظر بعنایت خدا کند

اس کی دوسری غزل کا مطلع ہے،

اے شاہِ زمن بیا و بنگر در دلِ من بیا و بنگر

ایک پوری غزل مدح میں ہے،

اے زجودِ تو کامرانیِ دہر وز وجودِ تو پاسبانیِ دہر

بخدائے خدایگانِ زماں بتو زیبا خدایگانیِ دھر

دہر را مدح تو وظیفہ بود گوش کن بر وظیفہ خوانیِ دھر

بتو زیبا است خلعتِ شاہی زتو پیدا است کامرانیِ دھر

باشد از لطفِ تو ھندس شاد اے ز لطفِ تو شادمانیِ دھر

ان موقعوں پر لفظ لطف کا لطف اہلِ ذوق سے پوشیدہ نہیں،

ایک اور مدحیہ غزل سنئے جس کے مطلع میں دادا بیٹا اور پوتا تینوں کے نام یکجا ہیں،

دارا شکوہ، شاہجہاں بانیِ جہاں بروے مبارکست سلیمانیِ جہاں

شاہجہاں، دارا شکوہ بن شاہجہاں اور سلیمان شکوہ بن دارا شکوہ بن شاہجہان،

پروردگار باد نگہبانِ دولتت زانرو کہ کارِ تست نگہبانیِ جہاں

تا زآب و آتش است نشاں در زمانہ باد روشن زخاک پائے تو پیشانیِ جہاں

اے بانیِ جہاں کہ جہاں در ثنائے تست یک لحظہ گوش دار ثنا خوانیِ جہاں

تا کے ھندس است پریشاں چو زلف یار

اے از تو دور گشتہ پریشانیِ جہاں

ایک قطعہ ہے

دولتِ جاوید و بختِ سرمد و ملکِ دوام ہمعنان و ہمدمِ شاہِ بلند اقبال باد

از کفِ دستش زر و گوہر بدر بارگاہ تا ابد دریا و کان زین فیض مالامال باد

می کند احسانِ او درماندگان را یاوری یاد داور را ایزدِ ذوالمجد والافضال باد

دوسرا قطعہ

ثنا خوانِ ترا شاہا چہ حاجت مدحِ جم گفتن بجام بادہ حاجت نیست مست جام سرمد را

چو می خواہد کہ باشد بانیِ قصرِ ثنائے تو بکار خشت و گل مگذار لطف اللہ احمد را

اس قطعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معماری کے پیشہ کو اپنے سے کم درجہ جانتا تھا،

دارا شکوہ نے اس سے اپنا محل بنوایا ہے، اس کی تاریخ نکالتا ہے،

چو بنا کردہ قصرِ جاہ و جلال ظلِ حق بادشاہ عالیِ ملک

شبہہ ایں عمارت والا تافت چوں مہر بر حوالیِ ملک

گفت معمارِ قصر، تاریخش قصرِ دارا شکوہ والیِ ملک

اس مصرع سے تاریخ بنا ۱۰۶۰ھ نکلتی ہے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دارا شکوہ کا یہ قصر اسی شاعر معمار نے بنایا تھا، دارا شکوہ نے کوئی کنجی بنوائی ہے، اس کی تاریخ کہی ہے،

چو طیار شد ایں کلیدِ ظفر بفرمانِ دیں پرورِ حق پژوہ

پئے سالِ تاریخ انجام وے خرد گفت "مفتاحِ دارا شکوہ"

"مفتاحِ دارا شکوہ" سے ۱۰۶۶ھ نکلتے ہیں، جس کے ایک سال بعد دارا شکوہ کی تاریخ کا صفحہ بدل جاتا ہے، دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کی کدخدائی کی تاریخ یہ کہی ہے،

کدخدا گشت باقبالِ بلند پورِ دارائے زماں شاہِ زمین

درزمانے کہ مراد ابِ جہاں | بود در دست چو در دست نگیں
گفت جبریلِ امیں تاریخش | بسلیماں شدہ بلقیس قریں

آخری مصرع سے سنہ ۱۰۶۴ھ نکلتے ہیں،

اوپر کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا اور اس کے خاندان کا تمامتر تعلق داراشکوہ سے تھا، اہل تاریخ سے اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ پیدا کرنا بہت آسان ہے، یعنی یہ کہ اس کو داراشکوہ سے جس قدر وابستگی ہوگی اسی قدر عالمگیر کے دربار سے اس کو دوری ہوگی، داراشکوہ کے مدحیہ قصیدہ میں کچھ ایسے شعر بھی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں داراشکوہ کے حریف مقابل یعنی اورنگزیب پر طعن و تعریض ہے،

زمیبتش نہ تواں یافت نیم قطرۂ خوں | ہزار بار دل خصمش ار بیفشاری
بزخم تیر کہ زد در دلِ معاند او | ربودہ رنگ دلم را سپہر زنگاری
دراں دیار کہ بخت حسودِ تست بخواب | ندیدہ دیدۂ مردم بخواب بیداری
مدام باد ہوا خواہِ دولتِ تو بعیش | نصیب خصم تو جاوید باد خونخواری

ان اشعار میں "خصم" اور "معاند" اور "حسود" سے غالباً اورنگزیب ہی کی طرف اشارہ ہے، اس بنا پر سنہ ۱۰۶۷ھ کے انقلاب میں جب شہزادہ بلند اقبال کی جگہ اورنگزیب عالمگیر زیبِ اورنگ ہوا تو اس شخص کی کس مپرسی محتاج بیان نہ ہوگی، لطف اللہ کے دیوان میں ایک قطع بند غزل ہے،

شہا گوشش برداد خواہی نداری | بحالِ گدایاں نگاہے نداری
رقیباں بقتلم نوشتند فتوئے | وگرنہ تو ہرگز گناہے نداری
جہاں سر بسر خیر خواہِ تو باشد | دلے ہمچو من خیر خواہے نداری
نیاری صبا سوئے بلبل پیامے | گر سوئے گلزار راہے نداری
مہندس از آں رو نداری وفائے | کہ چوں زاہدان خانقاہے نداری

میرے خیال میں اس غزل کا خطاب اورنگزیب ہی کی طرف ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اس کو داراشکوہ کے عہد میں اس گلہ و شکایت کا موقع نہ تھا، اور نہ زاہدوں کی خانقاہ پر تعریض کی حاجت تھی،

اوپر کے اشعار میں مہندس نے اپنی تعمیری عمارت فن کا بھی جابجا اظہار کیا ہے، کہتا ہے، ع

"بلند پایہ زمن گشت قدرِ معماری"

ایک جگہ فخریہ کہتا ہے، ع

"ما ہمہ معمار و عمارت گریم"

ایک جگہ کہتا ہے کہ میرے بنائے ہوئے نقشے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں؛

چناں منیر شود شبہۂ عمارت من | کہ نور مہر بود نزدِ نور او تاری
دمے کہ من بعمارت گری شوم مشغول | ملک مصالح کار آورد بسرباری

مگر با ایں ہمہ یہ نہیں معلوم کہ اس کی بنائی ہوئی عمارتیں کون ہیں، اوپر کے ایک تاریخی قطعہ سے داراشکوہ کے ایک محل کے بنانے کا حال معلوم ہوتا ہے، تذکرہ سفینۂ خوشگو، اور نشتر عشق حسین قلی خاں میں سنہ ۱۲۹۵ھ میں، مہندس کے بیٹے ریاضی کے حال کے ضمن میں ہے، "ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوری است کہ قلعۂ ارگ دارالخلافہ شاہجہان آباد بتجویز و صوابدید او بنا یافتہ" (خوشگو) اس سے معلوم ہوتا ہے قلعۂ دہلی کے شاہجہانی عمارات کی تعمیر میں یہ بھی اپنے باپ اور چچا کے ساتھ شریک تھا، سحر حلال میں یہ اپنی نسبت لکھتا ہے،

"مملوک ہوا دار ولد احمد معمار گوہر عمر را در کارگاہ وگل کاسد کردہ۔ ۔ ۔ ۔"

اس فقرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر کا بڑا حصہ عمارت گری میں صرف ہوا،

۱؎ سحر حلال یہ فارسی رسالہ علم اخلاق میں ہے، اور صنعتِ غیر منقوطہ میں لکھا گیا ہے، اسی لئے مصنف کا نام لطف اللہ کے بجائے، "ولد احمد معمار" لکھا گیا ہے، اس کے شروع کی عبارت یہ ہے:-

"اللہ علا اسمہ در اوّل کلام حمد کردگار آوردم، مالک، ملک، علام واحد صمد سلام ۔ ۔ ۔ ۔"

حمد و نعت کے دو صفحوں کے بعد دو صفحوں میں "مدح داور کامگار ادام اللہ ملکہٗ" کے عنوان سے بادشاہِ عصر کی تعریف ہے، ممدوح کا نام حسب ذیل صورتِ معمہ میں ہے،

"اسم اکرم او حامل دو کلمہ آمد کلمۂ اول سرِ عدل (ع) و دلِ داد (الف) و دلِ علم (ل) و سرِ مراد (م) کلمۂ دوم سرِ گل (گ) و دلِ سرود (ر) در سرِ گل و دلِ سرِ دہ (ی) در آمدہ، ملک علام و صمد سلام ہموارہ سرو اورا محورِ سمائے کرم و گلِ او را محمود و دوحۂ ارم دارا د"

اس صورت معمہ سے جو نام نکلتا ہے، وہ عالمگیر ہے، تعجب ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے مداح نے عالمگیر کی مدح کیونکر لکھی، شاید اس اخلاقی رسالہ کو عالمگیر کے نام سے پیش کر کے اس کی ہمدردی اپنی طرف مائل کرنی چاہی، جو معلوم نہیں کہ ہوئی یا نہیں،

بادشاہ کی مدح کے بعد "مدح رسالہ و حال محرر اصلح اللہ حالہٗ" کے عنوان سے تین صفحوں میں اپنا اور اپنے رسالہ کا حال لکھا ہے، جس کا اقتباس درجِ ذیل ہے،

"مملوک ہوا دار و لد احمد معمار رسالہ کہ مداد کہ مدادِ او کحلِ مدامع اہلِ حال آمد . . . .

حاملِ سطور معدودہ کردہ در درگاہ سالار کامگار ادام اللہ ملکہ آوردہ . . . .

مامول کہ در حال سعد . . . . در مطالعہ والا در آمدہ معلوم مدرکۂ اکرم گردد . . . .

سرورا، مملوک ہوا دار و لد احمد معمار گوہر عمر را در کارگاہ و گلِ کاسد کردہ . . . . . .

مسئول کہ ہر کس در مسالک علم . . . اطلاع دارد رسالۂ مملوک ہوا دار اصلاح دہد، احمد معمار والد مملوک دادار سہ ولد دارد، اول عطاء اللہ سلمہ اللہ سالک مسالکِ علم و عامل در اعمال ہر عمل صحو و کمال علام و عامل و علامۂ عصر کہ در او علم و عمل آمدہ حصر رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ، حاملِ صحاح و کسور و ولد دوم او سطِ ہر سہ مملوک درگاہِ کردگار و اسم مملوک حاملِ دو کلمہ آمد، کلمۂ دوم "اللہ" علامۂ کلمۂ اول لام و طا و معادل عدد عطا، و ولد سوم در مسالک علم و حالِ و اہلِ سلوک و کمال مساہم عطاء اللہ آمدہ و اسم او ہم دو کلمہ

وارد، کلمۂ دوم "اللہ" علامۂ کلمۂ اول معادل عدد عطا و او و را اصلح اللہ حالہ اصل اللہ آمالہ معلوم اہل علم گردد کہ اسم . . . .

والا سحر حلال آمد . . . معلوم اہلِ کمال کہ سحر حلال را در ماہ محرم الحرام مسطور کردہ، سالِ رسم سحر حلال منعم اہلِ حال و معلم اہلِ کمال را سوال کردم صدا درداد کہ سحر حلال در وہ اہلِ حال آمد و درس لوحِ کمال"

اس آخری فقرہ سے رسالہ کی تصنیف کی تاریخ ۱۰۷۲ھ نکلتی ہے،

اس تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جس میں مختلف اخلاقیات کو سرِ عنوان بنا کر مدح و ذم لکھا گیا ہے، مثلاً مدحِ عدل، مدحِ سماح، مذمِ امساک، مذمِ حسد، مذمِ طولِ امل، مذمِ حرص و طمع، مذمِ کسل، مدحِ کد، مدحِ علم، مدحِ دلدار و حالِ اہلِ دل، ہوسِ وصلِ دلدار، حصولِ وصلِ دلدار، مذمِ ہوسِ دوامِ وصل، مدحِ گل، مدحِ سرود، کلامِ اہلِ دل، اسی پر رسالہ ختم ہو گیا ہے،

اس رسالہ کے دو نسخوں کا مجھے علم ہے، پہلا مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ کا، جس کا نمبر ۲۴۸۶ ہے، اس نسخہ کو غلام عبد القادر المخاطب بہ قادر عظیم خاں نے ۱۲۲۱ھ میں نقل کیا ہے، جو مدراس کے ایک مشہور علمی خاندان کے رکن تھے[1]، یہ نسخہ ۲۹ صفحوں میں ہے،

دوسرا نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر اس کے کیٹلاگ میں جلد ۱۸ ہے، اور عنقریب اس کو ابھی ہمارے مخلص دوست پروفیسر شیخ عبد القادر (پونہ) نے مرتب کر کے شائع کیا ہے[2]،

(باقی)

[1] اس خاندان کے نوجوان رکن جناب محمد غوث صاحب ایم اے (حیدر آباد دکن) کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے لیے اس رسالہ کے اقتباسات میری فرمایش پر نقل کر کے بھیجے، [2] اس کیٹلاگ کے فاضل مرتب نے اس رسالہ کا مصنف لطف اللہ کے چھوٹے بھائی نور اللہ کو ظاہر کیا ہے، یہ کسی غلط فہمی پر مبنی ہے،

ہمایون کا علمی ذوق،

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب بی اے (علیگ) رفیق دارالمصنفین،

ہمایوں ۹۱۳ھ ماہ ذیقعدہ میں کابل میں پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر اپنی قوت واقتدار کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشاں حال پھر رہا تھا، بابر کی تمام زندگی ہولناک مصیبت مگر حیرتناک جرأت کی سبق آموز داستان ہے، وہ کبھی باپ کی متروکہ مملکت سے محروم ہوکر پہاڑوں کی برفانی چٹانوں پر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا نظر آتا ہے، کبھی برف کاٹ کر فوج کے لئے راستہ بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے، پھر وہ کبھی اپنی جودت جہانگیری سے کابل کا بادشاہ بن بیٹھتا ہے تو کبھی عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیوں سے اسی شہر کی گلیوں میں برہنہ پا پھرتا دکھائی دیتا ہے، اس کی تمام زندگی انقلاب روزگار اور زمانہ کی شعبدہ بازیوں کا تماشہ ہے،

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اپنی اولاد کی تعلیم خاطر خواہ نہ دلا سکا ہوگا، پھر بھی یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اس کی تمام اولاد علم وہنر سے مالامال تھی، کامران ایک کامیاب شاعر تھا، ترکی اور فارسی دونوں میں اشعار کہتا، اور قبول عام کی سند لیتا تھا، اس کا ایک قلمی دیوان خدابخش خان کے مشرقی کتب خانہ پٹنہ میں اب تک محفوظ ہے جس میں سولہ فارسی اور انیس ترکی غزلیات، مختلف قطعات، رباعیات، افراد اور ابیات ہیں، یہ سب کے سب برجستگی، بے تکلفی اور سلاست کے لحاظ سے ایک نمایاں درجہ رکھتے ہیں، اور بعض اشعار میں بادۂ تصوف کی بھی سرمستیاں ہیں[1]،

[1] جناب محمد محفوظ الحق صاحب ایم اے (لکچرار پریسیڈنسی کالج کلکتہ) نے اس دیوان پر ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر اسکو شائع کیا ہے،

ہندال اور عسکری نے بھی شعر وشاعری میراث میں پائی تھی، تذکرہ نویسوں نے دونوں کا ذکر شاعروں کی فہرست میں کیا ہے، اور دونوں کی شاعری کے نمونے دیئے ہیں، ہندال کی ایک رباعی ہے جو ندرت خیال کے لحاظ سے خوب ہے،

زاں قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری	از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری
تا بر رخ گل چکاند اے رشک پری	حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری[1]

عسکری کے اشعار ہیں،

چناں بنجو دشدم از دوری آں گلعذار امشب	کہ ہر دم گر بہار د میدہ بے اختیار امشب
چنیں کہ خوے گرفتم باشنائی تو	ہلاک میکندم آں قدر جدائی تو[2]

بابر کی بیٹی گلبدن بیگم تاریخ اور تاریخ نویسی کا نہایت بلند مذاق رکھتی تھی، اس کی تصنیف ہمایوں نامہ اپنی نوعیت کی بے مثل کتاب ہے، بقول علامہ شبلی "فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خاں ان پر نثار کر دیجائیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ بول چال، طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے[3]"

ہمایوں کی تعلیم وتربیت ہمایوں اسی دودمان علم وہنر کا ایک معزز فرد تھا، میراث میں نہ صرف اس نے سلطنت پائی، بلکہ باپ کا علمی مذاق اور شعر وشاعری کا ذوق بھی پایا تھا، افسوس ہے کہ اس کی تعلیم وتربیت کے متعلق کوئی مستقل بیان موجود نہیں، اس کی پیدائش کے تھوڑے دنوں کے بعد تزک بابری کی تحریر کچھ عرصہ تک بند رہتی ہے جو ہمایوں کی طفولیت اور تعلیم وتربیت کا زمانہ ہے، اس لئے بابر اس کے

[1] مخزن الغرائب، قلمی نسخہ دارالمصنفین، [2] صبح گلشن مصنفہ نواب صدیق حسن خان ص ۲۸۵، [3] مقالات شبلی جلد چہارم ص ۵۶،

متعلق لکھنے سے قاصر رہا، تذکرۃ السلاطین سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں جب چار سال چار مہینہ اور
چار روز کا ہوا تو رسم مکتب کی تقریب ادا کی گئی[1] مگر اس کی تعلیم کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملتے، بابرنامہ
کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کی تالیفات اس کی اولادوں کے زیر مطالعہ رہیں، بابر نے دیوان
کے علاوہ تین کتابیں تالیف کیں، ایک تو مثنوی مبین، جس میں دو ہزار اشعار ہیں، اور یہ تمام اشعار مذہبی
اور اخلاقی موضوع پر ہیں، دوسری والدیہ، جو ایک رسالہ کا منظوم ترکی ترجمہ ہے، جسے اس نے اپنی
علالت کے زمانہ میں نظم کیا تھا، اور جو جامی کی سبحۃ الابرار کی بحر میں ہے، تیسری اس کی تزک ہے، مسز
بیورج کا خیال ہے کہ بابر نے اپنی مثنوی مبین کامراں کی تعلیم کی غرض سے لکھی تھی[2]،

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہمایوں کو بھی جو کامراں سے صرف ایک یا دو سال
عمر میں بڑا تھا، اس کے ذریعہ سے مذہب و اخلاق کا درس نہ دیا گیا ہو، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ
مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی، وہ صوم و صلوٰۃ کا سخت پابند تھا، کبھی
قسم نہ کھاتا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا، کسی سے بہت خشمگین ہوتا تو صرف لفظ سفیہ کہہ دیتا، ہمیشہ
احکام شرعی پر اس پابندی سے عمل کرتا کہ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاؤں اندر نہ رکھا، اور خوش اعتقادی
یہاں تک تھی کہ بے وضو خدائے عز و جل کا نام کبھی نہیں لیا[3]، ممکن ہے کہ یہ مذہبی اور اخلاقی جلا باپ کی
کی تربیت اور اس کی تالیف کردہ مثنوی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہو،

بادشاہ بنکر ہمایوں نے جو علمی مذاق کا ثبوت دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم ویسی ہی
ہوئی تھی جو ایک شہزادہ کے لئے ضروری ہوتی ہے، تمام معاصر مورخین اس کو ایک بلند پایہ شاعر اور
علم ریاضی و ہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں،

ہمایوں کی شعر و شاعری اس کے اعلیٰ علمی مذاق کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اس کی تمام زندگی جنگ و جدل میں

[1] پرد وشن آف محمڈن فرنگ، نرنیدرناتھ لا صفحہ ۱۲۹ ۔ [2] بابرنامہ انگریزی ضمیمہ مؤلفہ مسز بیورج صفحہ ۴۳۸ ۔ [3] بدایونی جلد اول صفحہ

گذری پھر بھی فرصت کے اوقات میں شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا، ابو الفضل لکھتا ہے،

"توجہ عالی بشعر و شعرا نیز داشتند و از آنجا کہ طبع موزوں از خصائص فطرت سلیم است در خلال
اوقات واردات قدسی را چہ از حقیقت و چہ از مجاز در سلک نظم می کشیدند و دیوان آنحضرت
در کتاب خانۂ عالی موجود است"[1]

افسوس یہ ہے کہ اس دیوان کا اب کہیں پتہ نہیں، مگر بعض مورخوں نے ہمایوں کی نظمیں، رباعیات
اور اشعار نقل کئے ہیں جو ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں،

ابو الفضل نے ہمایوں کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے نمونے کے طور پر اس کی چند رباعیاں اکبرنامہ
میں نقل کی ہیں، نیز تاریخ فرشتہ میں اسکی چند نظمیں اور رباعیاں ہیں، اکبرنامہ میں جو رباعیاں درج ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱

اے دل مکن اضطراب در پیش رقیب — حال دل گوئے با مسیح طبیب
کارے کہ ترا آں جفا کار افتاد — بس قصہ مشکل ست و بس امر عجیب

۲

اے دل ز حضور یار فیروزی کن — در خدمت او بصدق دل سوزی کن
ہر شب بخیال دوست خرم بہ نشیں — ہر روز بوصل یار نوروزی کن

۳

اے آنکہ جفائے تو بعالم علم ست — روزے کہ ستم بہ بینم از تو ستم ست
ہر غم کہ رسد از ستم چرخ بدل — مارا چہ غم عشق تو باشد چہ غم

ہمایوں جب شیر خان سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے لاہور
پہنچا، تو مرزا کامران نے بہ ظاہر موافقت اور در پردہ مخالفت کی، شیر خان آگے بڑھتا چلا آرہا تھا،

[1] اکبرنامہ صفحہ ۲۰۴ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۴ و تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۴۴،

کامران نے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اس سے سازش کر لی کہ وہ پنجاب لے کر اسے کابل قندھار، اور غزنی کا تنہا مالک چھوڑ دے، اور ظاہر اً ہمایوں سے شیر خان کے خلاف جنگ کرنے کی تدبیروں کے متعلق مشورے کرتا رہا، یہانتک کہ شیر خان بہت ہی قریب پہنچ گیا اور ہمایون کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا، مرزا کامران نے شیر شاہ کے قاصد کا پر جوش استقبال کیا، اور اس کی آمد میں بڑا جشن منایا، ہمایوں نے اس موقع پر ایک رباعی کہی،

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد — پیوستہ زخویشتن جدائی باشد
خود را بنمائی غیر دیدن عجب است — ایں بوالعجبی کار خدائی باشد

یہ رباعی کہہ کر مرزا کامران کے پاس بھیجدی، گلبدن بیگم کا خیال ہے کہ ہمایوں نے کامران کے پاس نہیں بھیجی بلکہ قاصد کے ذریعہ سے شیر خان کے پاس ارسال کی،[۱]

ہمایوں ایسے موقعوں پر بہت متاثر ہو کر اشعار کہتا تھا، اور جب کبھی اپنے حال کے موافق کوئی شعر سنتا تو بے اختیار ہو جاتا تھا جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا، اور خاص طور پر جشن شاہانہ مرتب کیا، صابر قاق نے جو خراسان کا ایک مشہور گویا تھا، ایک غزل گانا شروع کی جس کا مطلع یہ تھا،

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنین باشد — ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنین باشد

جب وہ اس شعر پر پہنچا،

زرنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم — کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی، اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے،[۲]

ہمایوں جب ایران پہنچا تو شاہ طہماسپ نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا، اور بھائی بنا کر اپنے

[۱] ہمایوں نامہ، گلبدن بیگم ص ۴۸ [۲] مآثر رحیمی جلد اول ص ۵۵، کلکتہ،

یہاں رکھا، مگر امیروں اور درباریوں کو یہ بات ناگوار گذری، اور رفتہ رفتہ شاہ کے کان بھر کے ہمایوں سے اس کو برگشتہ کر دیا، ہمایوں مصیبت کا مارا تھا، بیرم خاں کی صلاح کے موافق احتیاط کو مد نظر رکھا، اسی دوران میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم اور قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نور الدین ایسے حاشیہ نشینوں نے باہم یک رائے ہو کر یہ کوشش شروع کی کہ شاہ کے دل سے غبار کدورت دور کر دیں، چنانچہ ایک روز سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی یہ رباعی پڑھکر سنائی،

ہستیم زجاں بندۂ اولادِ علی — ہستیم ہمیشہ شاد بایادِ علی
چوں سرِ ولایت زعلی ظاہر شد — کردیم ہمیشہ وردِ خود نادِ علی

شاہ طہماسپ اس رباعی کو سنکر بے حد خوش ہوا، اور ہمایوں کی جانب سے اس کے دل کی کدورت جاتی رہی،[۱]

اسی غریب الوطنی کے زمانہ میں ہمایوں نے تبریز کی سیر کی، عہد ماضی کے آثار قدیمہ اور سیر گاہیں دیکھیں، ان کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا، اور اس وقت یہ رباعی کہی[۲]

افسوس کہ سرمایہ زکف بیروں شد — وز دستِ اجل بسے جگرہا خوں شد
کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو — کاحوالِ مسافرانِ عالم چوں شد

ہمایوں کی قسمت نے جب ایک بار پھر ساتھ دیا تو وہ از سرِ نو فوج ترتیب دے کر کامران کے خلاف قندھار پر حملہ آور ہوا، اس وقت ہمایوں کا رفیق بیرم خاں قلعۂ قندھار کے محاصرہ میں ساتھ تھا قلعۂ قندھار، بہت ہی مستحکم تھا، اس کی دیوار کا عرض سات گز تھا، اس کو تسخیر کرنا آسان نہ تھا، لیکن بیرم خاں کی سپہگری اور جوانمردی سے آخر میں یہ فتح ہوا، ہمایوں نے اس مسرت میں ایک نظم کہی اور بیرم خاں کے پاس بھیجدی، وہ نظم حسب ذیل ہے،[۳]

باز فتحے زغیب روے نمود — کہ دلِ دوستاں ازاں بکشود

[۱] فرشتہ ص ۲۳۲ نولکشور پریس [۲] اکبر نامہ ص ۲۴۱ نولکشور [۳] خافی خاں حصۂ اول ص ۱۲۵،

شکر للہ کہ باز شادانیم بر رخ یار و دوست خندانیم

دوستاں را بکام دل دیدیم میوۂ باغ فتح را چیدیم

روز نو روز بیرم است امروز دل احباب بے غم است امروز

شاد بادا ہمیشہ خاطر یار غم نہ گردد بگرد یار و دیار

ہمہ اسباب عیش آمادہ است دل بفکر و جہالت افتادہ است

گوش خرم شود ز گفتارت دیدہ روشن شود ز دیدارت

در حریم حضور شاد بہم بنشینیم خرم و بے غم

بعد ازیں فکر کار ہند کنیم عزم تسخیر ملک سند کنیم

مقیم نامی ایک شخص کے متعلق اس نے حسب ذیل شعر کہا،

مقیم شد غم تو در دلم چہ چارہ کنم عجب غمیست مگر دل ز سنگ خارہ کنم[1]

سفینہ خوشگو میں اس کی ایک رباعی مذکور ہے،

یارب کہ رضائے دل درویشاں دہ ایں ریش دل شکستہ را درماں دہ

حدنیست کہ گویم ایں مدہ یا ایں دہ چیزے کہ رضائے تو در انست آں دہ

ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے تو ایک روز اس نے کہا کہ آج صبح کی نماز کے بعد ملہم غیبی نے یہ رباعی سنائی ہے،

یارب بکمال لطف خاصم گرداں واقف بحقائق خواصم گرداں

از عقل جفا کار دل افگار شدم دیوانۂ خود خواں و خلاصم گرداں

اس رباعی کو پڑھ کر رونے لگا، ان دنوں ہمیشہ وہ کہتا کہ عالم فانی سے بوے موت آتی ہے، چنانچہ

[1] لطائف نامہ فخری ص ۲۱۲ شائع کردہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور،

محل کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع نہایت خوشخط لکھا یا تھا،

شنیدہ ام کہ بریں طارم زر اندود است خطے کہ عاقبت کار جملہ محمود است[1]

ظاہر ہے کہ ہمایوں کے شعر و سخن کے ذوق کے سبب اس زمانہ کے شعرا شاہی جود و کرم سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہے ہونگے، بدایونی کا بیان ہے،

"شعرائے بسیار نادرۂ روزگار از دامن او برخاستہ اند"[2]

ان میں ایک مولانا بدخشی معمائی تھے، جو اپنے قصائد کے لحاظ سے سلمان ساوجی پر فوقیت رکھتے تھے، دوسرے شیخ زین الدین خافی المتخلص بہ وفائی تھے، جن کے متعلق بدایونی کہتا ہے،

"در معما و تاریخ و در بدیہہ یافتن و شعر و سایر جزئیات نظم و نثر بے قرینۂ زماں بود"[3]

اور جاہی یتمان اپنی ہجو گوئی میں یکتائے روزگار تھا، ان کے علاوہ قابل ذکر شعرا میں مولانا نادری سمرقندی، شیخ ابوالواجد فارغی، حیدر تونیائی، شاہ طاہر خواندی دکنی، اور خواجہ ابواب ابن خواجہ ابوالبرکات تھے، ملا عبد القادر بدایونی نے ان شعرا کا بہ تفصیل تذکرہ کیا ہے، اور ان کے بعض معرکۃ الآرا قصائد، رباعیات اور ادبیات کے نمونے بھی درج کئے ہیں[4]

ہمایوں ان شعرا کو اپنی علم پرور صحبتوں میں ہمیشہ شریک رکھتا، اور شعر و شاعری کی مجلسیں برابر گرم رہتیں، ہمایوں کی نکتہ سنجی، دقت نظر اور معانی آفرینی کی جلا ان صحبتوں میں خوب ہوئی جس کے باعث وہ اکثر اساتذہ کے کلام میں بلا تکلف اصلاحیں دیتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اسکے سامنے یہ شعر پڑھا،

ہمچو پروانہ بشمعے سروکار است مرا پس اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرعہ میں یہ اصلاح دی،

می روم پیش اگر بال و پرم می سوزد

[1] اکبر نامہ ص ۲۹۵ [2] بدایونی ص ۴۶۹ جلد اول [3] ایضاً ص ۴۷۱ [4] ایضاً [5] ملاحظہ ہو منتخب التواریخ ص ۴۶۵ تا ص ۴۹۲

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوئے[1]،

جاہی یتمان نے شاہ محمد خان شاہ پور والی کابل سے ناراض ہو کر اس کی ہجو کہی، ہمایوں کے سامنے وہ ہجو پڑھی گئی:-

شاعر شاہ ہمایونم و خاک در گہ — می زند کوکبۂ شاعریم طعنہ بمہ
خسرو شوم و ابیات خوشم خیل و سپہ — دیدم از قحبہ زنی ظلم نہ جرم و نہ گنہ
پارۂ کاغذ اگر از ہذیان گشتہ سیہ — سوئے ہجوش اگر اندیشہ شود روی برہ
غرض آنست کہ ایں خرصفتان ابلہ — عزت و حرمت ایں طائفہ دارند نگہ
وائے آنکس کہ بخیل شعرا بستیزد — ہر کہ با ما بستیزد بہ بلا بستیزد

آخری مصرعہ کو سنکر ہمایوں نے فی البدیہہ کہا کہ اس کو اس طرح پڑھو،

ہر کہ با ما بستیزد بخدا بستیزد[2]

ہمایوں اور علم ہیئت — ہمایوں علم ہیئت و نجوم سے خاص شغف رکھتا تھا، اور اس فن میں بہت اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی، بدایونی لکھتا ہے،

"در علوم نجوم و ہیئت و سائر علوم غریبہ بے نظیر"[3]

اکبر نامہ میں ہے،

"توجہ اقدس باصطرلاب و کرہ و سائر آلات رصدی درجۂ کمال داشت"[4]

ہمایوں نے ہیئت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا، جو ہیئت کے تمام فنون اور رصد بندی میں ماہر تھے، وہ ہمایوں کو اس قدر عزیز تھے کہ ان سے کسی حال میں جدا ہونا گوارا نہ کرتا تھا، چنانچہ جب تخت و تاج کھو کر ہندوستان سے دور عراق و ایران میں غریب الوطن پھر رہا تھا تو اس مصیبت

۱؎ مآثر رحیمی صفحہ ۶۱۱ جلد اول ۲؎ منتخب التواریخ بدایونی، جلد اول صفحہ ۴۶۹ ۳؎ ایضاً صفحہ ۴۶۷ ۴؎ اکبرنامہ صفحہ ۲۴۱،

اور پریشان حالی میں بھی علامۂ موصوف سے ہیئت و نجوم کا درس لیتا تھا، اس سفر میں شیخ ابو القاسم جرجانی بھی ساتھ تھے، یہ دونوں عالم ہمایوں کو قطب شیرازی کی کتاب درۃ التاج کا سبق دینے میں مشغول رہتے، اکبر نامہ میں ہے:-

"و از ہمیں حدود مولانا نورالدین محمد ترخاں را بجہت طلب شیخ ابو القاسم جرجانی و مولانا الیاس اردبیلی کہ بفضائل صوری و کمالات معنوی آراستگی داشتند فرستادند و در کابل آمدہ بشرف ملازمت مشرف شدند و از آمدن ایں دو عزیز بسیار منبسط و منشرح گشتند و مذاکرہ کتاب درۃ التاج درمیان آوردند"[1]

آوارۂ غربت ہونے کے باوجود اس فن سے ہمایوں کی دلچسپی برابر قائم رہی، اور جب کبھی وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا، ہیئت اور نجوم کے آلات تلاش کرتا تھا، اکبرنامہ میں ایک دلچسپ لطیفہ لکھا ہے کہ جب وہ تبریز پہنچا تو اپنے ملازم بیگ محمد اختہ بیگی کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو، فارسی میں کرہ گھوڑے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، خوش فہم نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند بچھیرے لیکر خدمت شاہی میں حاضر ہوا، بادشاہ اس غول بیابان کو دیکھکر ہنس پڑا،[2]

ہمایوں کی مہارت فن کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ علما کی طرح ہیئت و ریاضی کا درس دیتا تھا، نورالدین ترخاں نوری سفیدونی نے جو ریاضی، نجوم اور حکمت کے ممتاز عالم تھے، ہمایوں ہی سے درس حاصل کیا تھا، مآثر الامراء میں مولانا مذکور کے حال میں ہے،

"مولانا بفضل و کمال و شجاعت و سخاوت انصاف داشت و بہ ہیئت و ہندسہ و اصطرلاب شوق مند بود ۔ ۔ ۔ ۔ و صحبتش با جنت آشیانی (ہمایوں) کوک گشتہ، و از جملہ ندیمان و مجلس نشینان بزم ہمایونی گردید ۔ ۔ ۔ ۔ گاہے بادشاہ از و استفادہ علوم می کرد،

۱؎ اکبرنامہ صفحہ ۲۴۲ نولکشور، ۲؎ اکبرنامہ صفحہ ۲۴۳،

دگاہے او از علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب ہمایونی کہ دریں فن مہارت تمام داشت استفاضہ می نمود[1]"

بادشاہ نہ صرف خود ان علوم میں مہارت حاصل کرتا رہا، بلکہ ملک کے نجومیوں کی واقفیت میں بھی اضافہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، اس نے کئی جگہ رصد خانے بنانے کا ارادہ کیا اور بہت سے آلاتِ رصد ترتیب دیئے[2]، سلطان سلیمان خان کے ترکی امیر البحر کو جو علم ہیئت کا بہت بڑا عالم تھا، کئی مہینے اپنے دربار میں روک رکھا کہ وہ چاند اور سورج کے گرہنوں کا حساب تیار کرے، اور ہندوستان کے نجومیوں کو آفتاب کی گردش اور خط استوار کے نکات کے پڑھنے میں مدد دے، ترکی امیر البحر کئی مہینے کام میں مصروف رہا اور نجومی مشاہدات ختم کئے[3]،

ہمایوں کو اس فن میں اس قدر انہماک تھا کہ اس نے اپنی عزیز جان تک اسی فن کی خدمت میں گنوا دی، پرانی دہلی میں قلعہ کے اندر شیر شاہ نے شیر منڈل کے نام سے ایک بہت بلند سہ منزلہ عمارت بنوائی تھی، ہمایوں نے اس عمارت کی برجی کو بلندی کے سبب سے رصد خانہ بنا دیا تھا، ایک شام کو ستارۂ زہرہ کے طلوع ہونے کا گمان کیا جا رہا تھا، بادشاہ ریاضی دانوں کی ایک جماعت کیساتھ اسی برجی میں بیٹھ کر مباحث میں مصروف تھا، اور زہرہ کے طلوع کا انتظار کر رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی، بادشاہ اذان سنکر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینہ سے پھسل کر گرا، اور سخت زخمی ہو گیا، اور پھر اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا[4]،

بادشاہ کو جو ریاضیات و فلکیات سے جو انس تھا اس کے اثر سے ملک میں بھی علم ہیئت کا ذوق پیدا ہوا، اور ملک میں عام طور پر آلات فلکی بننے لگے،

۱؎ مآثر الامرا جلد اول ص۴۴۶ ۲؎ اکبرنامہ ص۴۰۰ ۳؎ ترجمہ مرأۃ الممالک پرفیسر دیمبری باب ہشتم، بحوالہ معارف جلد ۲۲ ص۴۷ ۴؎ اکبرنامہ ص۳۹۹،

کرے اور اصطرلاب جو عموماً مدارس میں آج نظر آتے ہیں، ان کا ابتدائی رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا، اس نے خود ایک خاص قسم کا اصطرلاب ایجاد کیا تھا، جو اصطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ اس عہد کے اکثر اصطرلاب اور کرات اب تک مختلف مقامات میں محفوظ ہیں[1]،

ہمایون کے سپہ سالار خانخانان نے ایک قصیدہ اس کی مدح میں لکھا ہے، اس میں اصطرلاب سے تشبیب کی ہے، جو ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کا بین ثبوت ہے، کہتا ہے،

آں چرخ چیست کامدہ بر محورش مدار ‏ ‏ آں مدر کز میانہ شہابش کند گذار

باآنکہ می کند بہ وخور برابری ‏ ‏ آمد بجاں زحلقہ بگوشانِ شہریار

نارد بچشم کوکبۂ آفتاب را ‏ ‏ چوں ہیچۂ لوائے شہنشاہ نامدار

پیوستہ آسمان و زمیں زیر حکم اوست ‏ ‏ ہمچو نگینِ خاتم شاہِ جم اقتدار

برکف نہادہ خواں زری پر ز اشرفی ‏ ‏ تا بر قدوم اشرف شاہاں کند نثار

شاہِ بلند قدر ہمایون کہ از شرف ‏ ‏ بر درگہش سپہر نہد روئے افتقار[2]

ہمایوں کے تمام خانگی، ملکی اور سیاسی کاموں میں ہیئت اور نجوم کے اصول کا لحاظ رکھا جاتا تھا ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ جب ہمایوں کی شادی حمیدہ بانو سے قرار پائی تو ہمایون نے خود اصطرلاب اٹھا کر ستاروں کی گردش معلوم کر کے تاریخ مقرر کی[3]، اکبر جب امرکوٹ کے صحرا میں پیدا ہوا تو ہمایون نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ماہتاب برج اسد میں ثابت ہے، اس نے اسی وقت پیشینگوئی کی کہ اکبر صاحب اقبال اور دراز عمر ہوگا[4]، جو مستقبل میں حقیقت ثابت ہوئی،

ہمایوں اپنے فلکیاتی ذوق کے سبب سعد اور نحس کا اس قدر قائل تھا کہ وہ ملک کے تمام کاموں کو اسی اصول کے ذریعہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا تھا، جس زمانہ میں کابل کا انتظام اس کے

۱؎ دیکھو مضمون "لاہور کا ایک فلکی آلات ساز" از مولنا سید سلیمان ندوی، معارف جلد ۲۰ نمبر ۲ ص۸۸ ۲؎ بدایونی ص۱۹۲ جلد سوم ۳؎ ہفت [illegible] ۴؎ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص۵۲ (لندن)، ۵؎ ایضاً ص۵۵،

سپرد تھا، اس نے ایک روز ان تین آدمیوں کے نام فال لئے جو ایک مقررہ دن اس کو راہ میں ملے، ان تین آدمیوں کے نام مراد خواجہ، سعادت خواجہ اور دولت خواجہ تھے، ہمایون نے اپنی سلطنت کی اساس انہی ناموں پر رکھی، ممالک محروسہ اور ملازموں کو تین ۳ حصوں میں تقسیم کیا، دولت، سعادت، مراد، کل سپاہیوں کا نام اہل دولت رکھا، کیونکہ انہی کی مساعدت پر دولت و اقبال کا انحصار ہے، حکما، و علما، مشائخ اور شعرا کو اہل سعادت کہا، کیونکہ ان کے ذریعہ سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے، بقیہ لوگون کو اہل مراد سے موسوم کیا،[1]

اسی فلکیاتی اصول پر ہفتہ کے دنوں کو بھی ان جماعتوں سے منسوب کیا، روز شنبہ و پنجشنبہ کو اہل سعادت سے متعلق کیا، ان دو دنوں میں وہ علم و عبادات کے ناظموں کے ساتھ وقت گذارتا تھا، اہل سعادت کیساتھ ان دونوں کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ تھی کہ شنبہ زحل کے ساتھ منسوب ہے اور زحل مشائخ کا قدیم مربی سمجھا جاتا ہے، پنجشنبہ مشتری سے متعلق ہے، وہ علمار کا ستارہ ہے، یکشنبہ و سہ شنبہ اہل دولت سے متعلق تھے، ان دنوں میں امور سلطنت انجام پاتے تھے، یہ دن اس لئے مقرر کئے گئے تھے کہ یکشنبہ آفتاب سے متعلق ہے، اس کی تربیت کے پرتو سے سلطنت و فرمانروائی ہوتی ہے، سہ شنبہ متعلق ہے مریخ سے اور مریخ سپاہی کا مربی ہے، ہمایون نے جمعہ کا مبارک دن اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا، بقیہ دو دن اہل مراد کے لئے وقف تھے،[2]

ہمایون نے دو خرگاہ بنائے تھے، جن کی ساخت خالص ہیئت کے اصول پر مشتمل تھی، ایک خرگاہ کو آسمان کے برجوں کی طرح بارہ حصوں مین تقسیم کیا تھا، اور ہر برج میں ایک پنجرہ آویزان تھا، جس کے سوراخوں سے کواکب دولت کے انوار چمکتے تھے، دوسرا خرگاہ یونانی ہیئت کے نو دن آسمانوں کی پوری نقل تھی، ہر آسمان میں جو ستارے ہیں ان کے نمونے اس میں بنے تھے،[3]

۱ ہمایوں نامہ، الیٹ جلد پنجم ص ۱۱۹-۱۲۰ ۲ ایضاً

ہمایون کی سب سے دلچسپ نجومی اختراع بساط نشاط تھی،[1] اس بساط میں فلکی دوائر و کرات عناصر بنائے تھے، پہلا دائرہ جو فلک اطلس سے منسوب تھا، سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ، چوتھا مشتری کے لحاظ سے صندلی، پانچواں مریخ کے تعلق سے سرخ، چھٹا نیر اعظم یعنی آفتاب کی مناسبت سے زرین، ساتواں زہرہ کے سبب سے سبز، آٹھواں عطارد کے لحاظ سے سوسنی، نواں ماہتاب کے تعلق سے سفید، ماہتاب کے دائرہ کے بعد آگ اور ہوا کے کرے بالترتیب بنے ہوئے تھے، اس کے بعد کرۂ خاک و آب تھا، کرۂ خاک میں ساتوں اقلیموں کے نقشے بنے ہوئے تھے، ہر دائرہ مختلف قسم کی جماعت کیلئے مخصوص تھا، مثلاً امرار ہندی کو دائرہ زحل میں اور سادات و علما کو دائرہ مشتری میں بیٹھنے کا حکم تھا، ہمایون نے اپنی ذات کے لئے دائرہ زرین اختیار کیا تھا، اسی طرح نجوم کے قاعدہ سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ ہوتا اس دن وہی رنگ پورے دربار کا ہوتا تھا، مثلاً یکشنبہ کو آفتاب کے رنگ کے لحاظ سے زرد لباس اور دوشنبہ کو ماہتاب کے رنگ کی مناسبت سے سبز لباس پہنا جاتا،

ہمایوں اور علم ریاضی

نجوم و ہیئت کے لئے علم ریاضی ایک لازمی چیز ہے، اسلئے ہمایون اس علم میں بھی بڑی اچھی استعداد رکھتا تھا، اس عہد کے تمام ممتاز ریاضی دان اس کے حضور میں حاضر رہتے، اکبر نامہ میں ہے،

"در اقسام خاصہ ریاضی در زمان خود نظیر و سہیم نہ داشتند"[2]

ایک دوسری جگہ ہے:-

"در اقسام علوم ریاضی آنحضرت را پایہ بلند بود و ہموارہ باریاب حکمت صحبت می داشتند و ممتازان علم ریاضی در پایۂ سریر والا کامیاب سعادت بودند"[3]

فرشتہ لکھتا ہے:-

"در علم ریاضی علم مہارت می افراشت، مدار صحبتش با علمار و فضلا بودہ، ہمہ وقت در مجلس او مسائل علمی

۱ ہمایوں نامہ، الیٹ جلد پنجم ص ۱۱۶ ۲ اکبر نامہ ص ۱۳۸ ، ۳ ایضاً ص ۴۰۲ ،

مذکور ہی شدہ[۱]

ہمایوں اور کتبخانہ کا ذوق

ظاہر ہے کہ ہمایوں نے اپنے علمی ذوق کے سبب کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوگا، چنانچہ جب وہ ہندوستان کے تخت وتاج کا ازسرِنو مالک ہوا اور اس کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو دہلی کے شیر شاہی قلعہ میں شیر منڈل کے نام سے جو سہ منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی، اس کی تیسری منزل پر اس نے اپنا کتب خانہ قائم کیا، یہ اپنی بلندی کے سبب سے کسی قدر رصد خانہ کا کام بھی دیتی تھی، یہاں بیٹھکر اہل علم سے اکثر علمی مباحثہ کرتا تھا، شاہی کتب خانہ کا مہتمم نظام المعروف بہ باز بہادر تھا،[۲]

کتابوں سے ہمایوں کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اپنے ساتھ رکھتا، چنانچہ جب وہ کمیے کا محاصرہ کر رہا تھا تو اس کے ساتھ منجملہ اور کتابوں کے تاریخ تیمور لنگ کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے اپنے کمال فن سے مصور کیا تھا، اس محاصرہ میں ایک جنگلی قبیلہ نے شاہی خیمہ پر شبخون مارا تو لوٹ کے مال میں یہ نادر نسخہ بھی جاتا رہا، لیکن پھر بعد ہی یہ واپس مل گیا،[۳]

جب ہمایوں آوارہ غربت عراق، ایران اور افغانستان میں پھر رہا تھا تو اس وقت بھی چیدہ چیدہ کتابیں اس کے ساتھ تھیں اور اس کے کتب خانہ کا مہتمم اس کے ہمرکاب تھا،[۴]

ہمایوں اور تعلیمی ادارے

ہمایوں کا زمانۂ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گذرا، اس لئے اس کو عام طور پر تعلیمی مدارس اور ادارے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا، پھر بھی دہلی میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے،[۵] پھر اسی عہد میں شیخ زین الدین خوافی نے جو نظم ونثر کے بہت بڑے عالم تھے، آگرہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا،[۶]

---

[۱] فرشتہ جلد اول مقالہ دوم ص۲۴۳، [۲] تزک جہانگیری ص[illegible]، [۳] تذکرۃ السلاطین بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ مصنفہ نریندر ناتھ لاہا ص۱۳۲، [۴] اکبرنامہ دفتر اول [۵] آئین اکبری، [۶] منتخب التواریخ بدایونی ص۴۷۱،

شمس معنوی

یعنی

دیوان شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۳)

مدینۃ العلوم از نقی قبل ۹۶۸ھ

از نقی رومی[۱] مدینۃ العلوم میں زیر عنوان "مولینا رومی[۲]" رقمطراز ہے:۔

"علمائے حنفیہ سے شیخ جلال الدین قونوی بھی ہیں، ان کا نسب محمد بن محمد بن حسین بن احمد کے سلسلہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے، مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا، ...... پھر انقطاع تعلق اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا، کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اطراف کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا، کہ حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ (رومیؒ) سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا جلال الدین نے جواب دیا کہ "آپ ان چیزوں کو نہیں جانتے،" مولانا رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے، کہ

---

[۱] از نقی خود رومی ہے، اور محمود بن محمد بن قاضی زادہ رومی کا شاگرد (وفات ۹۶۸ھ) [۲] قلمی صفحہ ۱۰، کتبخانہ حکیم عبدالحبیب صاحب دریابادی، توسط مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق، ہم اس بزرگانہ عنایت کے لئے ان ہر دو حضرات کے ممنون ہیں،

گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا جلال الدین رہ نے شیخ تبریزی سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے،؟ حضرت نے فرمایا تم اُسے نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی، اور اولاد، حشم وخدم اور مدرسے سے قطع تعلق کرلیا، مختلف شہروں کی سیاحت فرماتے، اور بہ کثرت اشعار کہتے"،

ملاقات اور اس کی تفصیل کے متعلق ارنیقی کی روایت مشکوک ہے، کیونکہ اس بارے میں مختلف روایتیں البتہ آخری جملہ اہم ہے، کیونکہ دیگر معتبر روایات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے، اور یہی ہمارے نزدیک سے متعلق ہے، سبب یہ ہے کہ مولانا حضرت شمس کی جدائی سے نہایت مضطرب الحال تھے، اور کثرت سے اس حال کے اشعار لکھے ہیں، جو درد فراق و جوشِ اضطراب کے ترجمان ہیں، اور دیوان میں اکثر پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام مولینا کا ہے، مثلاً

ہجر شمس میں مولانا کی آنکھ خونریز ہوگئی ہے:۔

زہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی ، نبے چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی،

مولانا شب و روز شمس ہی کی جستجو میں بے قرار رہتے ہیں،

تا کشف شود ہمہ معانی ، اندر طلب تو شمس تبریز،

اپنے خونِ جگر کو صورتِ شعر میں ظاہر کرتے تھے،

نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلا ئیشے ، خون میچو شد نفس از شعر رنگے می دہم

الجواہر المضیہ ابن عبدالقادر (قبل ۷۷۵ھ) — مدینۃ العلوم کی شہادت کا ماخذ ایک اور مشہور عربی تذکرہ الجواہر المضیہ[1] فی طبقات الحنفیہ ہے، اس کا مؤلف مولانا کا قریب العہد تذکرہ نویس ہے، کچھ حصہ حذف کرکے تقریباً لفظاً لفظاً اس

[1] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ جز ثانی ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۵ - ۱۱، تالیف شیخ الامام محدث محی الدین ابی محمد عبدالقادر

تذکرے سے یہ بیان اخذ کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو اس میں بعنوان رومی یہ عبارت درج ہے:

كان عالماً بالمذهب واسع الفقه عالماً بالخلاف وبانواع من العلوم ......مات في خامس جمادى الآخرة سنة اثنتين وسبعين وست مائة ثم ان الشيخ جلال الدين انقطع وتجرد وهام وترك الدنيا والتصنيف والاشتغال وسبب ذلك انه كان يوماً جالساً في بيته، وحوله الكتب والطلبة. فدخل عليه الشيخ شمس الدين التبريزي الامام الصالح المشهور فسلم وجلس وقال للشيخ ماهذا واشار الى الكتب والحالة التي هو عليها فقال له، مولانا جلال الدين. هذا لا تعرفه، فما فرغ الشيخ جلال الدين من هذا اللفظ الا والنار عمالة في البيت

مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا...... ۶۷۲ھ میں واصل بحق ہوئے، انھوں نے انقطاع تعلق، یکسوئی اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر مشاغل ترک کردیئے، باعث اس کا یہ ہوا کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اطراف میں کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا، حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ رومی سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کیا ہے،؟ مولانا جلال الدین نے جواب دیا، کہ آپ ان چیزوں کو نہیں جانتے، مولینائے رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۰) ابن ابی الوفا محمد قرشی حنفی مصری (ولادت ۶۹۶ھ وفات ۷۷۵ھ) یہ مولانا کے قریب العہد تذکرہ نویس ہیں، کیونکہ مولانا کا وصال ۶۷۲ھ میں ہوا، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

والكتب فقال مولانا جلال الدين التبريزي ماهذا فقال له التبريزي هذا لا تعرفه ثم قام وخرج من عنده فخرج الشيخ جلال الدين على قدم التجريد وترك اولاده وحشمه ومدرسته وساح في البلاد وذكر اشعاراً كثيرة،

جلال الدین نے شیخ تبریزی سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم اسے نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور وہان سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی اور اولاد، حشم وخدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا، مختلف شہرون کی سیاحت فرماتے، اور کثرت

یہان بھی قابلِ توجہ یہی امر ہے، کہ مولینا شمس الدین کی جدائی کے بعد بے انتہا مضطرب ہوئے اور اس مضطربانہ حال مین کثرت سے اشعار فرماتے رہے، (وذکر اشعاراً کثیرۃ) دیوان شمس تبریز مین کثرت سے ایسے اشعار ملتے ہین، جس مین "دیوانہ روئے شمس" نے شمس کی جدائی اور فراق کے صدمہ کا طرح طرح سے ذکر کیا ہے، یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ اشعار یا یہ مجموعۂ کلام شمس کا نہیں، بلکہ شمس کے واحد معلوم ومشہور مرید مولینا کا ہے، چنانچہ اشعار ملاحظہ ہون تاکہ واقعاتِ حیات سے انکی مطابقت ہوجائے،

جانِ ما را باز بین اے خواجہ ما شمس دین ‏ ‏ ‏ زان کہ ما ہستیم وعالم جملگی در کار مست،

حضرت شمس کی واپسی کے خیال پر سرور کا اظہار فرماتے ہین، :-

چو باز آید بسوئے من ز تبریز، ‏ ‏ ‏ ازان حضرت رخش چو ماہتاب است،

اس سلسلے مین ساقی سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین، :-

مکن تاخیر از بہر (کبابے) شرابے[1]، ‏ ‏ ‏ کہ دلہا در فراق او کباب است،

بعض تذکرے ایسے ہین کہ ان مین کوئی واضح بیان تو موجود نہیں، لیکن صرف بطور نمونہ

[1] غالباً شرابے ہوگا،

بعض اشعار درج ہین،

مولینا کے حالات مین لکھا ہو کہ جب سلطان العلماء بہاء الدین وطن چھوڑ کر جانے لگے، تو دوران سفر مین حضرت شیخ عطار سے ملاقات ہوئی، مولینا کم عمر تھے، لیکن شیخ عطار نے اپنی کتاب "اسرار نامہ" تحفہ دی، اور مولینا سے فرمایا، :-

"روزے[1] باشد کہ این پسر آتش در سوختان عالم برزند"،

مولانا نے سنائی اور عطار سے معنوی اور ادبی فیض پایا، جس کا مختلف مقامات مین ذکر فرماتے ہین، مثلاً :- ؎

عطار روح بود وسنائی دو چشم او ‏ ‏ ‏ ما از پئے سنائی وعطار آمدیم،

مولوی محمد قیام الدین عرف قاضی خان اپنے تذکرہ حقائق[2] الاولیاء (۱۱۵۴ھ) مین مولینا پر حضرت عطار کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہین، :-

"این روایت از کلام فصاحت انجام ایشان ظاہر می گردد کہ فرمودہ اند" بیت،

گرد عطار گشت مولینا ‏ ‏ ‏ شربت از دست شمس بودش نوش

(دیوان شمس تبریز نولکشور، ردیف ش)

اس سلسلہ مین دوسرا تذکرہ ہفت[3] اقلیم (۱۰۲۳ھ) ہے، جس کے مؤلف امین احمد رازی ہین، بعنوان "در ذکر مولینا" انھون نے مندرجۂ ذیل تمہید کیساتھ اشعار درج کئے ہین،

"بیتے چند جہت انبساط خاطر افسردہ دلان واندمال جراحت خستگان آوردہ شد"،

دیوان	تذکرہ
اے شاہ جسم وجانِ ما خندہ کن دندانِ ما	اے شاہ جسم وجان ما خندہ کن دندان ما

[1] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص ۲ قلمی نسخہ ۱۱۵۴ھ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن [3] ہفت اقلیم واقلیم چہارم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سنہ تصنیف ۱۰۲۳ھ ص ۲۴۴،

تذکرہ	دیوان
سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہارا توتیا	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہارا توتیا
ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو	ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو
گو خوانیش سوئے طرب گر رانیش سوئے بلا	گر خوانیش سوئے طرب گر رانیش سوئے بلا
آیا کہ عشق نداری ترا روا است بخسپ	ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
برو کہ عشق وغم او نصیب ماست بخسپ	برو کہ عشق وغم او نصیب ماست بخسپ
بنمائے رخ کہ باغ وگلستانم آرزوست	بنمائے رُخ کہ باغ وگلستانم آرزوست
تا نقش خیال دوست باماست،	گے نقشِ خیال دوست باماست،
مارا ہمہ عمر خود تماشاست،	مارا ہمہ عمر خود تماشاست،

ان کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں، لیکن دیوان کے موجودہ نسخوں میں نہیں پائے جاتے، جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہو تذکرہ کے یہ اشعار مولانائے روم کے "دیوان شمس" میں پائے جاتے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانا کے کلام کا مجموعہ ہو،

مرآۃ الخیال ([illegible]) سے ہمارے دعوے کی حقیقت بالکل آئینہ بن جاتی ہے، اسکے مؤلف تذکرہ شیرخان لودھی میں عنوان "رومی" کے تحت لکھتے ہیں:-

من اشعارہ اللطیفۃ القدسیۃ

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم وجانِ ما خنداں کن دندانِ ما	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
	اے شاہ جسم وجانِ ما خنداں کن دندانِ ما
	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو	ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو

تذکرہ	دیوان
گہ خوانیش سوئے طرب گہ رانیش سوئے بلا،	گہ خوانیش سوئے طرب گہ رانیش سوئے بلا
گہ جانبِ خوابش کشی گہ سوئے آسایش کشی	گہ جانبِ خوابش کشی گہ سوی آسایش کشی
گہ جانبِ شہر بقا گہ جانبِ دشت فنا"	گہ جانبِ شہر بقا گہ جانب دشت فنا
(تذکرہ مراۃ الخیال)	(دیوان شمس تبریزی لکھنؤ)

بعض اشعار ایسے ہین جنھین مختلف تذکرہ نویسون نے اپنے اپنے تذکروں میں درج کیا ہو، غزل بھی اسکی ایک مثال ہو، ہفت اقلیم میں بھی یہ اشعار ہین، اگرچہ مختلف اصحاب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اشعار انتخاب کئے ہین، یہ بھی ایک دلیل ہے، جو ہمارے اس دعوی کو ثابت کرتی ہے، کہ "دیوان شمس تبریز" درحقیقت مولینا ہی کے مجموعۂ کلام کا نام ہے،

ابتک ہم نے جو بحث اوپر کی، وہ دو طرح کی تھی، ایک تو یہ کہ اولیائے کرام اور شعراء کے تذکرہ نویسون کے واضح اور صاف بیانات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہو کہ دیوانِ شمس تبریز مولینا ہی کے کلام کا مجموعہ ہو، دوسری یہ کہ بعض تذکرون میں اسکی وضاحت تو نہیں لیکن انھون نے عنوانِ رومی اور ذکر رومی کے تحت مثالاً چند شعر لکھدئے ہین، ہمنے یہ اشعار دواوین سے منتخب کرکے بالمقابل درج کردئے، یہ بھی ہمارے دعوی کی ایک خاص دلیل تھی، لیکن یہ شعراء اور اولیا کے عام تذکرے تھے، اب ہم مولینا روم کے خاص حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو انہی کے وابستگانِ دامنِ سعادت نے لکھے ہین، انمیں کہیں اس نوعیت کا بیان تو نہیں ہو کہ مولینا نے یہ اشعار حضرت شمس کے نام سے لکھے ہیں، کیونکہ یہ دراصل واقعہ ہی نہ تھا مولینا شمس کے نام سے نہیں لکھتے تھے، بلکہ حضرت شمس کا ذکر مختلف طریقون سے کرتے تھے، اور انکے اسرار کی ترجمانی فرماتے تھے، اسکے علاوہ دیگر شعراء کی طرح غزل میں اپنا تخلص لکھنے کا کوئی خیال تھا نہ اہتمام، صرف انہی اسباب سے یہ کلام بعد میں حضرت شمس کی طرف منسوب ہوگیا اور دیوان جو بعد کو مرتب ہوا، اور مدت دراز کے بعد طبع ہوا دیوان شمس تبریز کے نام سے شائع ہوا، اور غلط فہمی بھی عام ہوئی البتہ ان تذکرہ نویسون نے مولینا کی غزل گوئی کا تذکرہ خوب کیا ہو اور کثرت سے

اپنے تذکرہ میں مولانا کی مثنوی اور غزلیات کے اشعار درج کئے ہیں، آگے چل کر ہم ان اہم تذکرون کے اشعار ذیل میں درج کرین گے، اور انکے مقابل دیوان کے اشعار لکھدین گے، جس سے صاف ظاہر ہوجائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے اشعار ہی کا مجموعہ ہے،

دو خاص دلائل، ہمنے ابھی بیان کیا کہ اس بحث کے متعلق ان تذکروں میں کوئی واضح بیان نہیں، ان اہل صحبت تذکرہ نویسون کا اس مسئلہ میں خاموش ہونا ہی اس دعوی کی ایک ضمنی شہادت ہے کہ اس عہد میں یہ شبہ ہی محسوس نہوا تھا کہ کبھی یہ کلام حضرت شمس کا سمجھا جائیگا، کیونکہ وہ صاف دیکھتے تھے کہ اسمیں تو حضرت شمس کی مدح اور انکا مخلصانہ تذکرہ ہے، اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور تشریح کرتے کہ یہ دیوان شمس کا نہیں بلکہ مولینا کا ہے، وہ مولینا کے دیوان کو مولینا ہی کا سمجھتے رہے، اور کوئی دوسرا وہم انکے سامنے نہ تھا،

دوسرا پہلو خاص توجہ کا مستحق ہے وہ یہ ہے کہ افلاکی، سپہ سالار[1] اور سلطان ولد وغیرہ نے اپنے اپنے تذکرون اور کتابون میں مولینائے روم اور ان سے متعلق بزرگان دین کے احوال تفصیل سے لکھے ہیں ان لوگون نے نہ صرف انکے حالات بلکہ مناقب ومدارج بھی بیان کئے ہیں،

انمیں جو شعراء تھے انکے مشغلۂ شعر کا ذکر کیا ہے، چنانچہ مولینائے روم اور سلطان ولد کے حال میں انکی شاعری کا تفصیلی ذکر ہے، ان سے ہر قسم کے اشعار موقع بموقع درج کئے ہیں، اسی طرح شمس کا بھی حال لکھا ہے اور ایک مستقل باب باندھا ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے حضرت شمس کی شاعری کا ذکر تک نہیں کیا، حالانکہ تذکرہ نویسون میں سلطان ولد اور سپہ سالار بھی ہیں جو حضرت شمس کے دیکھنے والے انکے حالات سے واقف اور انکے معتقد اور کمالات کے معترف ہیں، اگر حضرت شمس شاعر ہوتے تو وہ ضرور اسکا تذکرہ کرتے اور جیسے اونھون نے دوسرون کے حالات میں کیا ہے، انکے اشعار درج کرتے، یہ ممکن نہیں کہ شمس اسقدر پرگو شاعر ہون جیسے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے، اور خاص معتقد تذکرہ نویس اسکا ذکر تک نہ کرین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شمس شاعر ہی نہ تھے، اور انکا کوئی کلام نہ تھا، جو کلام ان کی طرف منسوب ہوگیا ہے، وہ مولینائے روم ہی کا ہے، کیونکہ انکے اشعار مختلف طور پر تذکرون میں ہیں، جو دیوان شمس تبریز میں بھی ملتے ہین،

[1] مناقب العارفین [2] سپہ سالار ذکر خلفا حضرت شمس،

مناقب العارفین کی شہادت، اس سلسلہ کو ہم مناقب العارفین[1] (۷۵۴ھ) سے شروع کرتے ہین، اسکے مصنف شمس الدین افلاکی ہین، جو دو واسطون سے مولانا کے سلسلہ میں شامل ہوتے ہیں، یعنی یہ چلپی عارف کے مرید اور مولانائے روم کے دیکھنے والے اور صحبت یافتہ ہین، سنہ تالیف ۷۵۴ھ ہے، افلاکی نے اس تذکرہ مین مختلف مواقع پر مولینا کے اشعار لکھے ہین، بعض مقامات پر اسکی صراحت ہے، اور بعض مقامات پر اشعار کی تصریح درج ہے، اشعار مثنوی کے بھی ہین، اور غزلیات کے بھی، مثلاً مثنوی کے اشعار یہ ہین،

از خدا خواہیم توفیق ادب، بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد، بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد،

لکھتے ہین، کہ:-

"روزے در معنی این بیت معرفت می فرمود"

چون چنین خواہد خدا خواہد چنین، می دہد حق آرزوے متقین،
ہمنشین مقبلان چو کیمیاست، چون نظر شان کیمیائی خود کجاست،
آن دلے کز آسمانہا برتر است، آن دلے ابدال یا پیغمبر است،
مسجدے کان در درون اولیاست، سجدہ گاہ جملہ است آنجا خداست،

دست را مسپار جز در دست پیر، حق شدست آن دست او را سخت گیر
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،
گر نہ بودی نوح را از حق یدی، او جہانے را چرا برہم زدی،
معنی قرآن ز قرآن پرس بس، وز کسی کاتش زدست اندر ہوس،
گرچہ قرآن از لب پیغمبر است، ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است

[1] مناقب العارفین سنہ تالیف ۷۵۴ھ،

خاصہ آن آواز از خود شہ بود، — گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود،

نے حدیث راہ پر خون می کند — قصہ ہائے درد مجنوں می کند،

با کہ گویم چون ندارد گوش جان — بہر گوش است اے امیر این خوش بیان

من شدم عریان ز من او از خیال — می خرامم در نہایات الوصال

ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا — کل شئ ہالک نبود جزا،

(ص ۳۰۲)

اسی طرح مختلف مقامات پر غزلیات کے اشعار بھی لکھے ہیں، ذیل میں ایک طرف یہ اشعار مع تصریح محل بیان، تذکرہ سے درج کئے جاتے ہیں، اس کے مقابل دیوان سے اشعار لکھے جاتے ہیں جس سے صاف طور پر اس امر کی شہادت ملجائے گی، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہی، نسخوں[1] کے اختلاف کو بھی نمایاں کر دیا گیا ہے،

مناقب العارفین[2]	دیوان شمس تبریز
جز و درویشند جملہ نیک و بد،	جز و درویشند جملہ نیک و بد،
(م ص ۱۱۱) ہر کہ نبود او چنین درویش نیست،	گر نباشد این چنین درویش نیست،
	(کلیات شمس تبریز مطبع نولکشور ص ۱۵۹)
م ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،	ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،
(م ق ص ۱۱۳) ز اشک چشم و در جگر ہائے کباب،	ز اشک چشم و ز جگر ہائے کباب،
	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ص ۴)

[1] ن سے مراد نسخوں کا اختلاف ہے، بعض جگہ یہ اختلاف نسخوں کا نہیں، بلکہ کتابت اور خرابی طباعت سے پیدا ہو گیا ہے، [2] تذکرہ مناقب کے بھی کئی نسخے میرے پیش نظر ہے، اور یہ سب کتبخانہ آصفیہ کے ہیں،

صاحب مناقب[1] لکھتے ہیں کہ مجلس سماع میں مولینا نے یہ غزل پڑھی،

مرا اگر تو ندانی بہ پرس از شبہا — چو عشق را تو ندانی بہ پرس از شبہا

(ق م ص ۱۲۳) بپرس از رخ زرد و ز خشکی لبہا — بپرس از رخ زرد و ز خشکی لبہا (ک ص ۸۰)

ایک رات مولینا نے شیخ بدر الدین تبریزی کیمیا ساز کو ہدایت فرمائی کہ کوشش کرو کہ وجود کا تانبا سونا ہو جائے، بلکہ گوہر اور وہ بھی باعظمت! پھر یہ شعر پڑھا،

عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند	عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند
گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری	گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری
(م ق ص ۱۳۰)	(ک ص ۸۶۸)
بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم،	بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم
ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،	ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،
چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی	چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی
من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم	من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم
(م ص ۱۲۱)	(ک ص ۵۷۰)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۷) ایک قلمی نسخہ ہے، ایک اردو ترجمۂ مناقب بھی ہے، ایک آگرہ کا مطبوعہ فارسی نسخہ ہے، میں نے اشعار زیادہ تر اسی آخری فارسی نسخے سے منتخب کئے ہیں لیکن ابتدا میں چند اشعار قلمی نسخہ اور ترجمہ سے بھی لئے گئے ہیں، چونکہ اشعار کے متعلق ماخذ کا حوالہ دینا ضروری ہے، اسلئے ہر جگہ نام کا تفصیلی اندراج طول عمل ہے، اسوجہ سے میں نے خاص نشانات سے کام لیا ہے جسے یہاں درج کئے دیتا ہوں، "ق م" سے مراد قلمی نسخۂ مناقب ہے، اور صرف "م" سے مراد مناقب فارسی مطبوعہ نسخہ آگرہ ہے جس کا سنہ طباعت ۱۸۹۶ء ہے، اسی طرح مقابل میں "د" سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ہے، اور "ک" سے مراد کلیات شمس تبریز نسخہ مطبوعہ منشی نولکشور ہے، "ص" سے مراد صفحہ ہے، انکے علاوہ اور نسخوں سے اشعار لئے گئے ہیں، تو ان کا تفصیلی حال درج کر دیا جائے گا،

[1] اشعار کے محل وقوع کے متعلق سارے تشریحات مناقب ہی سے لئے گئے ہیں،

ما قصر چار طاق درین عرصۂ فنا،	ما قصر چار طاق دریں عرصۂ فنا،
چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،	چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،
جز صدر و قصر عشق دران ساحت خلود	جز صدر و قصر عشق دران ساحت خلود
چون نوح چون خلیل موسس نمی کنم	چون نوح چون خلیل موسس نمیکنم
(م ص ۱۴۳)	(ک ۵۶۶)

ایک خادم نے عرض کی کہ عجیب بات ہے کہ اس روز آپ باجوخان کے لشکر سے نہیں ڈرے فرمایا خداوندگار ما رسول اللہ علیہ وسلم پہلوان عظیم بودہ است ..... پھر یہ قصیدہ پڑھا،

مناقب العارفین	دیوان شمس تبریز
من این ایوان نہ تو رانمیدانم،	من آن افلاک نہ تو رانمیدانم
من این نقاش جادو رانمیدانم،	من این نقاش جادو رانمیدانم
بدستم بر بقتقا مد ازان خان ہمہ خانان	بدستم بر بقتقا آمد ازان خان ہمہ خانان
من این ماجود با تو رانمیدانم	کہ من خود خان بجزا و رانمیدانم
(م ص ۱۵۶)	(د ص ۱۳۲، ۱۳۳)

اہم روایت، "اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ملک ملک شیراز بود در قوت بخدمت اعذب الکلام شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلے غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد، ازان ہر یک کہ باشد بفرستی تا غذاے جان خود سازم شیخ سعدی غزل نو ازان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند و خلق بکلی ربودۂ آن شدہ بنوشت و ارسال کرد، و آن غزل اینست"،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست	ہر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست

ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست	ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست
ما بفلک بودہ ایم یار ملک بودہ ایم	ما بفلک بودہ ایم یار ملک بودہ ایم،
باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست	باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست
ما ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم	خود ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نہ گذریم منزل ما کبریاست	زین دو چرا نہ گذریم منزل ما کبریاست
(الی آخرہ ص ۱۵۰-۱۵۹)	(دیوان ص ۶۳ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

نشے بہ فخر النسا (ان کا ارادہ حج کا تھا) فرمود کہ باین نگاہ کن کہ مقصود حاصل شدہ است.... می بیند کہ کعبۂ معظم بر بالاے مولانا طواف می کند..... فخر النسا شہقہ زد چون بہوش آمد..... ہمانا حضرت مولانا این غزل را از سر نو آغاز فرمود"،

کعبہ طواف می کند بر سر کوئے یک بتے،	کعبہ طواف می کند بر سر کوئے یک بتے
این چہ بتے ست ایخدا این چہ بلا و آفتے	ایں چہ بتے ست اے خدا این چہ بلا و آفتے
ماہ درست پیش او قرص شکستہ بستہ	ماہ درست پیش او قرص شکستہ بستہ
بر شکرش نبات ہا چون مگسے ست زحمتے	بر شکرش نبات ہا چون مگسے ست زحمتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائک امین	جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائک امین
سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا اے رحمتی	سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا اے رحمتی
اہل ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف	اہل ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف
زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے	زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے
اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت	اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت
گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے	گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے
(م ص ۱۶۱)	(ک ص ۸۸۴-۸۸۵)

اہم تنبیہ: مولینا کی غزلیات کے متعلق غلط فہمی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو کہ اکثر غزلوں کے آخر میں عام قاعدہ کے مطابق مولینا کا تخلص نہیں ہوتا، بلکہ اکثر شمس کا نام ہوتا ہے، لیکن یہ شبہہ اس غزل کو دیکھ کر بالکل رفع ہوجاتا ہے، کیونکہ اس غزل کے مقطع میں بھی مولینا کا تخلص نہیں، بلکہ حضرت شمس ہی کا نام نامی ہے، لیکن ان کی مدح میں یہی حال دیوان کی اور غزلون کا بھی ہے، لیکن صاحب تذکرہ نے تمہیداً تصریح کردی ہے، کہ یہ غزل مولینا کی ہے، اور وہ کس موقع پر پڑھی گئی، اور کس طرح اس موقع پر فی البدیہہ کہی گئی، اس کی اور مثالیں ہین، دیوان دیکھو تو اس میں بھی یہی رنگ ہو جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین، کہ مقطع غزل میں شمس کا نام ہونیکے باعث اس امر میں شبہہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ مولینا کا کلام نہیں،

لکھا ہے کہ ایک موقع پر اہلِ ارادت ساتھ تھے، مولینا کے طفیل ان پر پتھر جو ذکر تسبیح کرتے ہین (سبوح قدوس) اسکا انکشاف ہوا، مولانا نے یہ غزل فرمائی، (م ۲۲۲)

مناقب العارفین	دیوان
دل چو دانہ ما مثالِ آسیا،	دل چو دانہ ما مثالِ آسیا،
آسیا کے داند این گردش چرا،	آسیا کے داند این گردش چرا،
تن چو سنگ وآب او اندشیہا	تن چو سنگ وآب او اندشیہا،
سنگ گوید آب داند ماجرا	سنگ گوید آب داند ماجرا
ماجرا بسیار خواہد شد خموش	ماجرا بسیار خواہد شد خموش،
از خدا وا پرس تا گوید ترا،	از خدا وا پرس تا گوید ترا،
(م ص ۲۲۲)	(ک ۰۰)

افلاکی ایک دن کا حال لکھتے ہین "از پئے سماع شد و این غزل از سر آغاز کرد و گفت" (م ۲۵۱)

گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود	گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود،

میان این دل وآن یار مے فروش چہ بود	میان این دل وآن یارِ مے فروش چہ بو
اگر بچشم بدیدی جمالِ آن مہ دوش	اگر بچشم بدیدی جمالِ آن مہ دوش
مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود	مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود
اگر تو با من ہم خرقہ وہم رازی	وگر تو با من ہم خرقہ وہم رازی
بگو کہ صورتِ آن شیخ خرقہ پوش چہ بود	بگو کہ صورتِ آن شیخ خرقہ پوش چہ بود
اگر فقیری و نا گفتہ رازی شنوی	اگر فقیری و نا گفتہ رازی شنوی
بگو اشارت آن ناطقِ خموش چہ بود	بگو اشارتِ آن ناطقِ خموش چہ بود
(م ص ۲۵۲)	(ک ۳۱۹)

مولینا ہمین غزل را از سر آغاز فرمود،

صلا یا ایہا العشاق کان مہ رو بکار آمد	صلا یا ایہا العشاق کان مہ رونگار آمد
میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد	میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد
(م ص ۲۹۳)	(ک ۳۰۶)

افلاکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نے ایک ہفتہ چلہ کشی فرمائی اسکے بعد احوالِ دل کی ترجمانی فرمانے لگے، "از خزینۂ دل اسرار و معانی فرمودن گرفت و این غزل را از سر آغاز کرد"؛

باز آمدم باز آمدم تا وقت راہمون کنم	باز آمدم باز آمدم تا وقت راہمون کنم
باز آمدم باز آمدم تا در دعشق افزون کنم	باز آمدم باز آمدم تا در دعشق افزون کنم
باز آمدم باز آمدم تا بہر بیماران دل	باز آمدم باز آمدم تا بہر بیماران دل
از اشک چشم وآہ شب وز خون دل معجون کنم	از اشک چشم وآہ شب وز خون دل معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز و درد عشق را	باز آمدم باز آمدم تا سوز و درد عشق را

در گوشہائے دل نہم در گنج سر مدخون کنم — در گوشہائے دل نہم در گنج سر مدخون کنم

(م ص ۱۹۸) — (دیوان شمس تبریز ص ۱۹۸)

ایک روز پروانہ کے مکان پر سماع کی محفل تھی، معین الدین پروانہ کچھ دیر آرام کی خاطر سو گئے، حضرت مولینا بیتاب تھے،

حضرت مولانا درحالت چرخی کہ چرخہ افلاک حیران چنان چرخ گشتہ بود، غزل از سرآغاز فرمود وگفت۔ (م ۳۲۰ - ۳۶۸)

گر نہ خُپے شبکے جان چہ شود،	گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود،
در بکوبی در ہجران چہ شود،	در بکوبی در ہجران چہ شود،
در بیاری شبکے روز آری،	در بیاری شبکے روز آری،
از برائے دل یاران چہ شود	از برائے دل یاران چہ شود،
در سلیمان سوئے موران آمد	ور سلیمان سوئے موران آمد،
تا شود مور سلیمان چہ شود،	تا شود مور سلیمان چہ شود،
در دو دیدہ ترا روشن گردد،	ور دو دیدہ تو روشن گردد،
کوری دیدۂ شیطان چہ شود،	کوری دیدۂ شیطان چہ شود،
(م ۳۲۷ - ۳۲۸)	(ک ۲۹۶)

افلاکی حالت مرگ کے قریب کا حال لکھتے ہیں، کہ "حضرت مولینا این غزل را از سرآغاز کردہ میگفت و جمیع اصحاب جامہ دران نعرہ زنان فریاد می کردند،

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم	چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم
رُخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم	رُخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم (باقی)
(م ۳۴۹)	(ک ۳۳۲)

تلخیص و تبصرہ

لندن میں چینی آرٹ کی نمائش

رائل اکاڈیمی، لندن میں چینی آرٹ کی جو نمائش ہو رہی ہے، وہ اپنی وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس سے قبل چینی مصنوعات کی کوئی ایسی نمائش تمام یورپ میں نہیں دیکھی گئی، اس میں ایک بڑی تعداد ان منتخب نوادر کی ہے جو حکومت چین نے بھیجے ہیں، اور ان کے علاوہ دنیا کے ہر ملک کے عجائب خانوں اور ذاتی ذخیروں سے بھی چینی آرٹ کے بہترین نمونے فراہم کئے گئے ہیں، یہ چیزیں جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے پینتیس صدیوں کی صناعی کا نمونہ ہیں، ان میں مصوری، پارچہ بافی، خوشنویسی، مینا کاری، روغن کاری، سنگ تراشی، اور چینی مٹی اور کانسہ کے ظروف کے شاہکار پیش کئے گئے ہیں، ان مصنوعات میں اس زمانہ کی چیزیں بھی شامل ہیں، جب چین دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت تھی، اور یورپ ہنوز عہد حجری سے نکلا نہ تھا،

کانسہ کی قدیم چیزوں میں سے اکثر خاندان چو (۱۱۲۲ء لغایۃ ۲۴۹ء ق-م) کے زمانہ کی بتائی جاتی ہیں، جس کی بنیاد شہنشاہ وو (Wu Wang) نے رکھی تھی، کانسہ کی صنعت کو چین نے یونانیوں سے اکیزار سال قبل تکمیل تک پہنچا دیا تھا، اس کی بیشتر مصنوعات پر چاندی اور سونے کی مینا کاری ہے، نقش و نگار میں قدرتی چیزوں یا علم ہندسہ کی شکلیں بنی ہوئی ہیں، چڑیوں، جانوروں، عنقا اور اژدہوں کی شکلیں کثرت سے ہیں، مختلف اقسام کے آئینے بھی ہیں، جن میں سے بعض آفتاب کی "خالص آگ" کو حاصل کرنے کے لئے مجوف بنائے

گئے تھے، "یہ آگ" مذہبی رسوم میں استعمال کیجاتی تھی، بعض وہ آئینے ہیں جو درختوں پر لٹکا دیئے جاتے تھے اور آدھی رات کے وقت ان کے ذریعہ ماہ کامل سے "خالص پانی" لیا جاتا تھا، وہ "طلسمی آئینے" بھی ہیں جو آفتاب کی روشنی میں کسی دیوار پر لٹکا دیئے جاتے تھے، اور ان سے مختلف شکلوں کے عکس سامنے کی دیوار یا پردہ پر پڑتے تھے، ان آئینوں کے سامنے کا شیشہ بظاہر بالکل چکنا اور مسطح ہے، لیکن پشت پر ابھری ہوئی شکلیں اس صنعت کے ساتھ بنی ہوئی ہیں کہ ان کا عکس صاف اور شفاف آئینوں سے سامنے کی چیزوں پر پڑتا ہے،

کانسہ کی جو چیزیں اس نمائش میں دکھائی گئی ہیں وہ عموماً چھوٹی چھوٹی ہیں، مثلاً وہ ظروف جو خانگی استعمال یا مذہبی رسوم میں کام آتے تھے، گوتم بدھ کے مجسمے، موسیقی کے آلے، وغیرہ، لیکن اہل چین بعض بہت بڑی بڑی چیزیں بھی بناتے تھے، مثلاً ۱۴۰۳ء اور ۱۴۲۴ء کے درمیان انھوں نے کانسہ کی پانچ زبردست گھنٹیاں بنائی تھیں جو پیکنگ میں موجود ہیں، ان میں سے ہر گھنٹی کا وزن ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ، بلندی چودہ فٹ، کنارہ کا قطر جو تیئیس فٹ اور دبازت نو انچ ہے، وہ ایک بڑی شہتیر پر لٹکائی گئی تھیں، اور ان کے لٹکنے کے لئے نیچے کی زمین کھود دی گئی تھی،

مٹی کے برتنوں پر روغن کرنے کی صنعت سب سے پہلے خاندان ہان (۲۰۶ ق۔م لغایۃ ۲۲۰ء) کے زمانہ میں رونما ہوئی، تاہم بغیر روغن کے مٹی کے برتنوں کی مقبولیت خاندان تانگ کے اختتام (۹۰۶ء) تک قائم رہی، چینی کے برتن تمام تر اہل چین کی ایجاد ہیں، چنانچہ آٹھویں صدی میں بھی سفید چینی کے برتنوں کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، تانگ اور سنگ عہدوں کے درمیان شہنشاہ شیہہ ٹسنگ کے حکم کے بموجب چائے کے وہ ظروف تیار کئے گئے جو بارش سے دھلے ہوئے آسمان جیسے نیلے، آئینہ جیسے روشن اور کاغذ جیسے باریک تھے، اور ان سے ویسی ہی شیریں آواز نکلتی تھی، جیسی کسی نفیس پتھر سے پیدا ہوتی ہے، ان ظروف کے چند نمونے اس وقت تک موجود ہیں، چینی کے برتنوں کی صنعت خاندان سنگ (۹۶۰ء لغایۃ ۱۲۷۹ء) کے زمانہ میں اپنے کمال تک پہنچ گئی تھی،

عہد تاتار کے اختتام پر خاندان منگ (۱۳۶۸ء لغایۃ ۱۶۴۴ء) کے ساتھ ساتھ مختلف صنعتوں کی نشاۃ ثانیہ بھی شروع ہوئی، اور چینی کے برتنوں کی صنعت میں خصوصیت کے ساتھ نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں، عہد یانگ لو کے پیالوں کی نفاست اپنا جواب نہیں رکھتی، یہ پیالے بالکل شفاف ہیں، اور روشنی کے سامنے رکھنے سے ان کے اندر کچھ ہلکے ہلکے سے نقوش نظر آتے ہیں، ان برتنوں کے کارخانوں میں دس لاکھ آدمی کام کرتے تھے، شاہی کارخانے ان کے علاوہ تھے، پھر خاندان چنگ (۱۶۴۴ء لغایۃ ۱۹۱۲ء) کے زمانہ میں نیلگوں اور سفید چینی کے برتنوں کا رواج ہوا جو حد درجہ مقبول ہوئے، یہ برتن ابتداءً خاندان منگ کے دور میں ۱۴۲۶ء اور ۱۶۱۹ء کے درمیان بنائے گئے تھے،

چین میں مصوری زیادہ تر ریشمین پٹیوں پر کیجاتی تھی، یہ پٹیاں لپیٹ کر رکھی جاتی تھیں، اور چونکہ بہت نازک ہوتی تھیں اس لئے قدیم ترین مصوری کے نمونے بہت کم محفوظ ہیں، بعض قدیم نمونے جو چین میں اب تک محفوظ ہیں، وہ بھی اپنی نزاکت کی وجہ سے اس قدر بوسیدہ ہوگئے ہیں کہ نمائش میں لائے نہ جاسکے، تاہم سنگ، یوان، اور منگ خاندانوں کے بعض نادر نمونے نمائش میں پیش کئے گئے ہیں، تصویریں زیادہ تر مناظر فطرت کی ہیں، ایک تصویر چنگیز خان کی بھی ہے، یہ ایک البم میں ہے، جس میں اس کے درباریوں کی تصویریں بھی ہیں، چنگیز کے شاہی محلسرا کی خواتین کی تصویریں بھی ہیں، لیکن چونکہ یہ خواتین پردہ نشین تھیں اور مصور کے سامنے بے نقاب نہیں آسکتی تھیں، اس لئے ان کی تصویر لینے میں ایک خاص اور عجیب اہتمام کیا جاتا تھا، مصور ہزاروں نقشے آنکھ، ناک، کان وغیرہ کے کھینچتا اور یہ سب نقشے محلسرا کی ایک خاتون کے سامنے پیش کئے جاتے جو ان خواتین کے چہروں سے مقابلہ کرکے ان نقشوں میں سے انتخاب کر لیتی، انتخاب کے بعد مصور تصویر کو مکمل کر دیتا، مناظر فطرت کی مصوری کا فن چین میں بمقابلہ یورپ کے سینکڑوں برس پہلے رائج تھا، مناظر فطرت سے شیفتگی کے باعث اس فن کا ارتقا اہل چین کے لئے بالکل قدرتی تھا، عہد تانگ کا ایک تصویر "لطف موسیقی" کے صرف چند ٹکڑے نمائش میں رکھے گئے ہیں، کیونکہ اس عہد کی شاید ہی کوئی

چیز محفوظ رہ سکی ہے، لیکن عہد سنگ کے بہترین مصورون کے پچپن شاہکار پیش کئے گئے ہیں، جن میں متعدد تصویریں شہنشاہ ہوئی ٹسنگ کے ہاتھ کی بھی ہیں، جو ایک مشہور ادارہ مصوری کا بانی تھا،

روغن کاری اور سنگ تراشی کے فن کو بھی اہل چین نے کمال تک پہنچا دیا تھا، روغن کاری کے ذریعہ یا تو ہموار سطح پر مختلف نقش ونگار بنائے جاتے تھے یا تلے اوپر بہت سی تہین دے کر ابھرے ہوئے نقوش بنائے جاتے تھے، اکثر چیزون پر روغن کاری کی بیس بیس تہین، اور بعض پر تیس تیس تہیں بھی ملتی ہیں، روغن کے ساتھ سیپ، سونا، اور قیمتی پتھرون کے ٹکڑے بھی شامل کر دیتے تھے، جن سے چیزون کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا،

زمانہ قبل مسیح کی چینی سنگ تراشی کے نمونے بہت کم محفوظ ہیں، البتہ پکنگ میں دس بڑے سنگی نقارے خاندان چو کے عہد (سنہ ۱۱۲۲ لغایۃ سنہ ۲۴۹ ق م) کے موجود ہیں، یہ نقارے سنہ [illegible] ق م کے بنے ہوئے ہیں، جیسا کہ ان کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے، چین کی جن تاریخون میں سنگ تراشی کا ذکر آتا ہے وہ خاندان چین (سنہ ۲۲۱ لغایۃ سنہ ۲۰۶ ق م) اور اس کے بعد کی تاریخین ہیں،

خاندان ہان کے زمانہ کے بہت سے مٹی اور کانسے کے مجسمے بھی ہیں، پھر جب ہندوستان سے نکل کر بودھ مذہب چین میں داخل ہوا، اور وہان سنہ ۶۷ء میں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا تو سنگ تراشی کے فن کو اور بھی ترقی ہوئی، اور گوتم بودھ کے مجسمے کثرت سے بنائے جانے لگے، ان میں سے ایک مجسمہ جو امریکہ سے نمائش میں بھیجا گیا ہے، اپنی صناعی کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے، اور سنگ تراشی کے بہترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی بلندی (۱۰۹) سنٹی میٹر ہے، سنگ مرمر کا ایک اور مجسمہ بھی گوتم بودھ کا ہے، جس کا قد بیس فٹ اور وزن بیس ٹن ہے، یہ سنہ ۵۸۵ء کا بنا ہوا ہے، اور اسے نمائش میں نیویارک سے لایا گیا ہے،

(ا - د)

"ع ز"

امبیدکر کا مسئلہ

لندن کے مشہور "عقلی" رسالہ لٹریری گائڈ (فروری سنہ ۳۶ء) میں مسٹر گولڈ (F. J. GOULD) کا ایک دلچسپ مضمون عنوان بالا سے شائع ہوا ہے، جس میں مقالہ نگار نے اچھوتوں کی حالت پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے، جو ڈاکٹر امبیدکر کے اعلان سے مختلف مذاہب کے مبلغین کو ہاتھ آگیا ہے، "عقلیت" کی جو تحریک یورپ اور امریکہ میں کچھ عرصہ سے جاری ہے، مسٹر گولڈ اب اسے ایشیا میں بھی رواج دینا چاہتے ہیں، اور اس کے لئے ہریجن کا میدان نہایت وسیع اور امید افزا نظر آرہا ہے، مضمون کا خلاصہ درج ذیل ہے،

"میں نے قدیم اور جدید دنیا کے سیکڑوں مدرسے دیکھے، لیکن ان میں سب سے زیادہ خراب حالت بمبئی کے کماٹھی پورہ نراشترا کی پائی، یہ مدرسہ ایک نہایت معمولی عمارت میں واقع تھا جس میں ناہموار بنچوں کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا، تاہم سنہ ۱۹۱۳ء میں وہان جن بچون سے میں نے ہاتھ ملایا وہ تیز اور ذہین معلوم ہوتے تھے، وہ بچے چنڈال اور مہر فرقوں کے تھے جو ہندوستان کی اچھوت قومون سے ہیں جن کی تعداد چار کرور سے زیادہ ہے،

موجودہ وقت جسے اخبار نویس اشخاص "بحران" کا وقت کہتے ہیں، اس درجہ حوصلہ پرور اور امید افزا ہے، کہ تمام دنیا میں مظلوم قومین، فرقے، اور جماعتین ذلت اور غلامی کی خاک سے اٹھ کر عزت فرش پر قدم رکھ رہی ہیں، یہ تحریک سب سے زیادہ ہندو اچھوتوں میں نمایان ہے، ہزاروں برس سے اونچی ذات کے ہندو برہما، وشنو، اور شیو کی مفروضہ رضامندی کی بنا پر ان اچھوتون کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرتے آئے ہیں، انھون نے ان مظلوموں کے لئے عام کنوون، تالابوں، اور مردہ گھاٹوں کے استعمال کو ممنوع قرار دے رکھا ہے، ان کو مدرسون اور مندرون میں جانے کی اجازت نہیں دیتے،

ذلیل ترین پیشے ان کے لئے مخصوص کر دیئے ہیں، اور اگر ان کا کوئی فرد کسی عام شاہراہ پر کسی برہمن سے چالیس قدم کے فاصلہ پر بھی آجاتا ہے تو اس پر لعنتوں اور بد دعاؤں کی بوچھار کر دیتے ہیں،

مسٹر پی۔ این۔ بوس (P.N. BOSE) آنجہانی کا جو ایک روشنخیال ہندو تھے، دعویٰ تھا کہ ہندوستانی روح اپنی بلند مذہبی کیفیت میں ذات پات کی مخالف ہے، بودھ مذہب نے ذاتوں کی تقسیم مٹا ڈالی، اور انسانوں کا فرق صرف ان کے اخلاقی مدارج کے لحاظ سے تسلیم کیا، بہتیرے ہندو بزرگوں نے بھی جو بودھ مذہب کے زوال کے بعد پیدا ہوئے، اسی کشادہ ذہنی کا اظہار کیا، ذات پات پر زور صرف مذہب کی ادنیٰ ذہنیت نے ڈالا، یعنی گہری معاشرتی تقسیمیں، پروہتوں اور ان کی روایتوں اور اداروں نے قائم کیں، ڈاکٹر برینج بائی نے بیان کیا ہے کہ ذاتوں کے نظام میں دخل دینے کی اگر کچھ بھی کوشش کیجاتی ہے، تو اسے مذہب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اور اس کی مخالفت کیجاتی ہے، یہی شدید قدامت پرستی نیچی ذاتوں کی اصلاح میں ایک بڑی روک ہے، حکومت برطانیہ نے اتنا کیا ہے کہ ان کے لئے مدرسے کھول دیئے ہیں، اور کسی قدر سیاسی نمایندگی دے رہی ہے، علاوہ برین ہندو مصلحین کی جماعتیں ہریجن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں، اور اس باب میں مہاراجہ بڑودہ کا شاندار کارنامہ ہندو جدید کے لئے عزت کا باعث ہے،

ڈاکٹر امبیدکر اچھوت ذاتوں کے ایک نہایت محترم نمایندہ ہیں، انھوں نے اعلان کیا ہے کہ ہریجنوں کے لئے جو تعداد میں کئی کروڑ ہیں مناسب ہے کہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں (معارف؟) پر جوش مسلمانوں نے ایک ہزار مبلغین کی جماعت تیار کرنے کی ایک تجویز بھی مرتب کرلی ہے اور ان کا خیال ہے کہ پچاس سال کی مدت میں تمام اچھوت اسلام میں داخل ہو جائینگے، (معارف؟)

اس مسئلہ میں مجھے دو باتیں پیش کرنی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ عقلیت یا مخالف مذہب آزاد خیالی کو اس میدان میں کام کرنا چاہئے جو عقلیت اور عیسائیت کی جنگ سے مادر راہبت دور تک

پھیلا ہوا ہے، ایشیا کو عقلیت اور مذہب انسانیت کی شدید احتیاج ہے، جو آزاد خیال اس فرض کی ادائی سے گریز کرتا ہے، وہ حقیقۃً قرون وسطیٰ کے راہب کا کوئی دوری رشتہ دار ہے،

دوسری بات یہ ہے کہ تمام دنیا اور بالخصوص ایشیا میں مختلف مذاہب اقتصادی، تمدنی اور روایتی نظاموں سے بہت زیادہ وابستہ ہیں، لہذا ان مذاہب پر حملہ کرنے کے لئے صرف ان معاشرتی نظاموں کا مطالعہ ہی کافی نہیں، بلکہ تمدن کے ایک جدید تعمیری نصب العین کی بھی ضرورت ہو جو ان الٰہی مذاہب سے آزاد ہو، اس تعمیری نصب العین کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی تعلیم عام خواہ وہ حکومت کی نگرانی میں ہو خواہ غیر سرکاری ہو جو آزاد خیال اس دوسرے فرض کی ادائی سے گریز کرتا ہو، وہ اس مخلوق کا دوری رشتہ دار ہے جو قرون وسطیٰ کے راہب سے بھی زیادہ قدیم ہے،

"ع ز"

دو نئی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ: سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہد اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت، حرفت، تعمیر، تجارت، تہذیب و معاشرت، اور علوم و فنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مقالات شبلی جلد پنجم (تاریخی)

یہ مولانا شبلی مرحوم کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اکابر اسلام کے سوانح سے متعلق ہیں، اس میں علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد، اور زیب النساء کی سوانحعمری، وغیرہ جیسے اہم مضامین ہیں،

ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت: عہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

چند جدید طبیعیاتی ایجادات

جنوبی کنسنگٹن کی طبیعیاتی مجلس کی نمائش میں بعض سائنٹفک ایجادیں ایسی دکھائی گئیں، جو روزانہ کی زندگی میں بڑی مفید اور دلچسپ ثابت ہوں گی، ایک سکہ جب اچھالا جاتا تھا، تو اس کے رُخ اور پشت کی تعیین کیساتھ بتایا نہیں جاسکتا تھا، لیکن اب ایک ایسا آلہ معلوم ہو گیا ہے جس کے ذریعہ سے یقین کیساتھ بتایا جاسکتا ہے، کہ سکہ کس جانب گرے گا، اسی طرح گراموفون کی مشین پر ایک تیل کا پیالہ گھما کر اس کی سطح پر مقناطیسی قوت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے، پھلوں کیلئے ایک دلچسپ آلہ ایجاد کیا گیا ہے، جس سے ٹماٹروں کے پختہ ہونے کا ٹھیک اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ایک آلہ گوشت میں نمک کی صحیح مقدار دریافت کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، کمروں، موٹروں، اور پانچ ہزار فیٹ بلندی پر طیاروں کے شور کا اندازہ بھی صحیح طور پر لگانے کے لئے بہت سے آلات دکھائے گئے، کچھ ایسے آلات بھی نمائش میں تھے، جن سے بہروں کی سماعت کی کمی بتائی جاسکتی تھی، دو چیزیں سب سے زیادہ دلچسپ دکھائی گئیں، ایک تو ٹیلیفون کا ایک ایسا آلہ تھا، جس کے ذریعہ سے ایک آدمی کافی دور پر بیٹھ کر آوازیں سن سکتا ہے، دوسری چیز ایک ایسی گھڑی تھی، جو ٹیلیفون پر دریافت کرنے والوں کو خود ٹھیک وقت بتا دیا کرے گی، یہ دونوں چیزیں بہت جلد ڈاکخانوں میں استعمال کی جانے والی ہیں،

درختوں کو انجکشن

انگریز ماہرین زراعت کا خیال ہے کہ اگر درختوں کو غذا پہنچائی جائے، تو ان کی نشو و نما بہت عمدہ

کے ساتھ ہوسکتی ہے، کھاد کی جو صورت مروج ہے، اس سے نتائج بہت دیر میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، لیکن اب انجکشن کے ذریعہ سے جو غذا پہنچانے کی صورت نکالی گئی ہے، اس سے ایک بہت بڑے باغ کو آسانی سے فروغ دیا جاسکتا ہے، درخت میں ½ انچ کا ایک سوراخ کھود دیا جاتا ہے، اور اس کے ایک طرف ایک شیشہ کی نلکی لگادی جاتی ہے، جس میں ایک ربر کے ذریعہ سے ہوا بھر دی جاتی ہے، سوراخ کی دوسری جانب کو ربر سے بند کئے رہتے ہیں، شیشہ کی نلکی ایک خمدار نلکی (سیفن) سے منسلک رہتی ہے جس سے انجکشن کے لئے سیال ڈالا جاتا ہے، اس انجکشن کے نتیجے بہت ہی مفید اور دلچسپ مترتب ہوتے ہیں، اس سے پھل کے درختوں کی بالیدگی تیزی سے ہونے لگتی ہے، کمزور درختوں کے لئے یہ انجکشن نہایت مفید ثابت ہوا ہے

علامتی زبان

لندن کے رائل انسٹیٹیوشن میں سر رچرڈ پیجٹ نے علامتی زبان پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تمام ملکوں کے بہروں اور گونگوں کی علامتی زبان فطری اور عام ہے، اور یہ زبان دنیا کے بعض حصوں میں مستعمل رہی اور ہے، شمالی امریکہ کے سُرخ ہندوستانی گفتگو میں علامتی زبان ہی استعمال کرتے تھے، ۱۹۲۹ء میں ولیم ٹامکن نے "عام ہندوستانی علامتی زبان" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے، جس میں ۸۰۰۰ علامات بتائے تھے، جنوبی مغربی کوئنس لینڈ کی علامتی زبان کے متعلق ۱۸۹۷ء میں والٹر ای روتھ نے لکھا تھا، گیرک ملیری نے نیو پولیٹن کی علامتی زبان کے متعلق لکھا تھا، حال ہی میں روس کی مجلس سائنس نے علامتی زبان کے متعلق کچھ معلومات فراہم کئے ہیں، جو بارھویں سے سترھویں صدی تک روسی آرمینیا میں عورتوں میں مروج تھی، کیمرون میں مسٹر ایون سینڈرسن نے اس قسم کی زبان دریافت کی ہے، ان زبانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ تمام تر ایک واحد زبان (DIALECT) سے ماخوذ ہے، اور وہ بنی نوع انسان کے اشاروں والی زبان ہے، لیکن اب تک اشاروں والی زبان نظر انداز کر دی گئی ہے، علامتی زبان بہت زیادہ ترقی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اس کے ذریعہ سے مجرد خیالات کا بھی اظہار کیا جاسکتا ہے،

اور اس اظہار میں کیفیت اور کمیت دونوں پیدا کیجا سکتی ہیں، اس علامتی زبان کے لئے کل ۵۰۰ الفاظ ہیں، لیکن سمجھا جاتا ہے کہ ابھی ایسی اور کمی کرنے کی ضرورت ہے،

برطانیہ میں سنیما

برطانیہ کی سنیما کی مجلس نے حال ہی میں ایک روئداد شائع کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۷۰۰۰۰۰۰ (ستانوے کروڑ ستر لاکھ) ٹکٹ فروخت ہوئے، جس کی آمدنی ۴۰۸۵۰۰۰۰ پونڈ (چار کروڑ پچانوے لاکھ پونڈ) ہوئی، حکومت نے ۶۸۰۰۰۰۰ پونڈ (اڑسٹھ لاکھ پونڈ) محصول وصول کئے، ہر ہفتہ سنیما کے جانیوالوں کی تعداد اوسطاً ۱۸۵۰۰۰۰۰ (ایک کروڑ پچاسی لاکھ) ہے، ۱۹۳۴ء میں برطانیہ عظمیٰ میں ۴۳۰۵ سنیما گھر تھے، اور ہر سنیما میں ۵۰۰ آدمیوں کی جگہیں تھیں، شہر لندن کے اندر صرف ۴۱ سنیما گھر تھے، لنکا شائر کے ضلع میں ۹۹۱، مڈلینڈ میں ۵۰۵، یارک شائر میں ۴۳۵ تھے، لندن میں ہر ۱۴ آدمی کے درمیان ایک شخص سنیما ضرور جاتا ہے، لنکا شائر میں ۱۳ آدمیوں میں ایک، اور مشرقی اضلاع میں انیس میں ایک کا تناسب ہے، ان اعداد و شمار سے مغرب کی تعیش پسند زندگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،

مصر میں اطالوی باشندے

مصر میں اطالوی باشندوں کی بڑی تعداد آباد ہے، جن کے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں،

	مجموعی تعداد	مرد	عورت
اصل اطالوی باشندے،	۵۲۴۶۲	۲۴۷۲۵	۲۷۷۳۷
جن لوگوں نے اطالوی قومیت محفوظ رکھی،	۳۷۲۸۶	۱۷۵۱۴	۹۷۷۲
یونانی جنھوں نے اطالوی قومیت اختیار کرلی ہے،	۴۹۴۲	۲۳۱۱	۲۶۳۱
ایطالوی یہود،	۴۹۴۹	۲۴۲۸	۲۵۲۱
طرابلسی جنھوں نے اطالوی قومیت اختیار کرلی	۱۲۳۶	۲۴۲۸	۲۵۲۱

اس وقت مصر میں ۵۰ اطالین مدرسے ہیں، جن میں اگیارہ ہزار طالب العلم تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور جن میں پانچ ہزار مرد اور چھ ہزار عورتیں ہیں، لیکن ان میں صرف ایک ہزار مصری طالب العلم ہیں،

پانی کی گہرائی کی سیاحت

گذشتہ اگست ۱۹۳۵ء میں بیالوجی کے ماہرین نے خلیج چیساپیک کے اندر جا کر آبی جانوروں مچھلیوں کیکڑوں اور کیڑوں کی زندگی کا مطالعہ کرنیکی کوششیں کی ہیں، وہ لوہے کی بکس نما کشتی میں جو غوطہ زنی اور پانی کے اندرونی سفر کیلئے خاص طور پر بنائی گئی تھی، مختلف اوقات میں اندر گئے، اور دیر تک رہے، اور مچھلیوں اور دوسری آبی مخلوقات کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کرتے رہے، جہاں گھانس پات زیادہ تھے، وہاں پر ان مخلوقات کی آبادی بھی زیادہ تھی، شب کو ان کی زندگی زیادہ دلچسپ ہوجاتی ہے، شب کے وقت جب وہ لوگ پانی کے اندر پہنچے، تو مچھلیوں نے آکر انکو گھیر لیا، اور جب انھوں نے روشنی دیکھی، تو ہزاروں کی تعداد میں آکر اوس روشنی سے لطف اٹھانے لگیں، اور جب یہ روشنی گل کردیجاتی تو زور کی روشنی سے آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوجاتی تھی، ان غوطہ زنوں نے ایک مرتبہ صبح کو پانی کے اندر کی سیر کی، آفتاب کے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اندر کی سطح کا رنگ بدلتا جاتا تھا، پہلے انھوں نے ہلکا گلابی رنگ اپنے چاروں طرف دیکھا، پھر گہرا سرخ، پانی کا رنگ بھی بدلتا جاتا تھا، پہلے زردی مائل سبز، پھر گہرا زرد، اور آخر میں نارنگی کی طرح سرخ ہوگیا، اور جب دن چڑھ گیا، تو رنگ زرد ہو کر آخر میں سبز ہوگیا، ان آبی مخلوقات کا مطالعہ روشنی کے ذریعہ سے بھی کرنیکی کوشش کی گئی ہے، ڈاکٹر بیب (نیویارک) نے الٹرا وائلٹ سرچ لائٹ کے ذریعہ سے نصف میل پانی کے اندر کی تمام مخلوقات کا معائنہ کیا، اس روشنی سے تمام مچھلیاں کھنچکر ایک جگہ چلی آتی تھیں، آیندہ سال ڈاکٹر موصوف کا ارادہ ہے کہ اس سے زیادہ طاقت کی روشنی استعمال کریں گے، اس روشنی سے جب مچھلیوں کی آنکھیں چکاچوند ہوجائینگی، تو پھر وہ آسانی سے ان کو جال میں پکڑ سکیں گے،

"ص ع"

بَابُ التَّقرِیظِ وَالانتِقَاد

ہندوستانی زبان کے رسالوں کے چند سالنامے اور خاص نمبر

ہندوستانی زبان کے رسالوں کے سالناموں کی ترقی یافتہ صورت یہ نمودار ہوئی ہے کہ بعض رسائل صرف سالنامہ ہی کی شکل میں شائع ہونے لگے ہیں، چنانچہ سہیل علی گڑھ، جوہر دہلی اور سالنامۂ انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج اسی طرز کے رسالے ہیں، ان کے علاوہ حسب دستور سال کے آغاز میں مختلف ادبی رسالوں کے سالنامے، اور خاص نمبر شائع ہوئے ہیں، انھیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے،

سالنامۂ سہیل، مرتبہ جناب رشید احمد صاحب صدیقی و آل احمد صاحب سرور حجم ۴۸۴ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۸ دفتر سہیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ،

مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوے معلّٰی کے علمی و ادبی سہ ماہی رسالہ سہیل سے ناظرین معارف ناواقف نہیں، خوشی ہوئی کہ ہندوستانی زبان کے ارتقا و ترویج کا یہ خدمتگذار ہماری نئی توقعات کے ساتھ پھر سامنے آیا ہے، اگرچہ وہ سالنامہ ہی کی شکل میں سہی، رسالہ کے محنت و سلیقہ سے ترتیب پانے کے لئے اس کے لائق مرتب کا حسنِ مذاق ضامن ہے، بیشتر مضامین دلچسپ، مفید اور قابلِ قدر ہیں، "شذرات" سے رسالہ کا افتتاح کیا گیا ہے، جن میں رسالہ کی ترتیب و اشاعت کے علاوہ، ہندوستانی زبان اور تحریک علی گڑھ، علی گڑھ کی پچھلی ادبی خدمات اور موجودہ علمی مشاغل کا ذکر آیا ہے، پھر ہندوستان کی قومی زبان کے مسئلہ پر گفتگو کرکے دکھایا ہے کہ اردو، آریائی زبان ہی کی ایک شاخ ہے، جو ترقی

کے بڑے مدارج طے کر چکی ہے، اس کے مقابلہ میں ایک دوسری غیر ترقی یافتہ زبان یعنی ہندی کو ہندوستان کی مشترک زبان منوانے کی کوشش کرنا ایک ناانصافی ہے، پھر "یادِ رفتگاں" کے عنوان سے گذشتہ سال ہم سے جدا ہونے والے ادیبوں اور شاعروں کی وفات پر ماتم کیا گیا ہے، اس کے بعد مضامین شروع ہوتے ہیں، جو ملک کے ممتاز اہل علم، اور ان کے پہلو بہ پہلو یونیورسٹی کے ہونہار تلامذہ شعبۂ اردو کے نتائج فکر ہیں، قابلِ ذکر مضامین میں "مصوری کے میلانات نو" (ڈاکٹر سلیم الزماں) "تعلیم اور اسلامی معاشرت" (خواجہ غلام السیدین) "غزلگوئی پر ایک نظر" (جناب اقبال احمد سہیل) "حافظ کے کلام میں کلام" (ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) "حالی ایک محب وطن کی حیثیت سے" (ڈاکٹر ذاکر حسین) "اردو، قومی ادب اور ہندی سمیلن" (ڈاکٹر اشرف) وغیرہ ہیں، یونیورسٹی کے تلامذہ میں سے حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم کے لائق صاحبزادے جناب جاں نثار حسین صاحب اختر نے اپنے والد ماجد کے سوانح اور کلام کے نمونے سنجیدہ اسلوب بیان میں پیش کئے ہیں، اسی طرح "اردو اور اس کے تاریخی ماخذ" (جناب محمد ابولیث صدیقی متعلم) اور "بہار اور اردو شاعری" (جناب معین الدین دردائی) کے عنوانوں سے اچھے مضامین ہیں، جن میں اس وقت تک کی تحقیقاتوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، اور چند نئے قلمی تذکروں اور یادداشتوں کا تعارف کرایا گیا ہے، چند افسانے بھی مترجمہ و طبعزاد دونوں قسم کے ہیں، آخر میں "باب تنقید" کے عنوان سے ہندوستانی زبان کی سال بھر کی مطبوعات پر نظر ڈالی گئی ہے، سب سے آخر میں لائق مدیر نے "کوبڑ" کے انوکھے عنوان پر لکھا ہے، جس کی تہ میں بڑے بڑے گن بھرے ہیں، تہذیب، معاشرت، سیاست، قومیت، صحافت اور ادب و شعر سب ہی کچھ اس میں سما گیا ہے، اور پھر انداز خاص میں ہر ایک کا "کوبڑ" الگ الگ دکھایا گیا ہے، مشاہیر شعرا میں سے جناب آصغر، جگر، اثر، سہیل اور جوش کے کلام شائع ہوئے ہیں، رسالہ مصور ہے، تمام تصویریں مغربی مصوروں کے فنی نمونے ہیں، جن کے لئے ان کے مختصر سوانح بھی پیش کئے گئے ہیں، اس سالنامہ سے ہندوستانی زبان میں ایک

اچھے علمی و ادبی صحیفہ کا اضافہ ہوا ہے، جس کا ہم دلی خیر مقدم کرتے ہیں، خدا اس کی عمر دراز فرمائے،

انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج کا سالنامہ، (مصور) مرتبہ جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری حجم ۲۲۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت ۱۰ر، پتہ:- سٹی کالج بکڈپو، حیدر آباد، دکن،

حیدر آباد کا سٹی کالج دراصل اس درسگاہ کی ترقی یافتہ شکل ہے، جس میں حیدر آباد میں پہلی مرتبہ انگریزی زبان اور جدید علوم کو علوم مشرقی کے پہلو بہ پہلو نصاب تعلیم میں داخل کیا گیا، جامعہ عثمانیہ کے قیام سے پہلے یہی کالج حیدر آباد میں علوم جدیدہ کی تعلیم کا ذریعہ تھا، اسلئے دور حاضر میں حیدر آباد میں جو ارباب فضل و کمال ہیں وہ اسی کالج کے دامن فیض کے تربیت یافتہ ہیں، ان طلبۂ قدیم نے اپنی مادر علمی سے لگاؤ قائم رکھنے کے لئے انجمن طلبۂ قدیم کی بنیاد ڈال رکھی ہے، اور یہ صحیفہ اسی انجمن کا سالنامہ ہے، جس کے مضامین میں یہ امتیاز رکھا گیا ہے کہ وہ وہیں کے فارغ التحصیل اہل علم کے لکھے ہوئے ہوں، اور بیشتر مضامین سٹی کالج ہی کے متعلق ہوں، ان کے علاوہ چند دیگر علمی و ادبی مضامین بھی ہیں، آخر میں "سٹی کالج کے بعض طلبۂ قدیم" کے عنوان سے یہاں کے فارغ التحصیل مشاہیر ڈاکٹر عبد الستار صدیقی، صدر شعبۂ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی، ڈاکٹر نظام الدین صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر میر ولی اللہ پروفیسر فلسفہ، جناب عبد القادر سروری پروفیسر اردو، جناب سید محمد لکچرر سٹی کالج، اور اسی طرح حیدر آباد کے ممتاز وکلا، حکام اور چند ممتاز عہدہ داروں کے سوانح حیات لکھے گئے ہیں،

جوہر سالنامہ، مدیر جناب حامد علی صاحب، حجم ۱۹۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت ۱۲ر پتہ:- منیجر رسالہ جوہر، جامعہ ملیہ، قرول باغ، دہلی،

جامعہ ملیہ میں طلبہ کی ایک علمی انجمن اتحاد ہے، اس کا ترجمان جوہر کے نام سے شائع ہوتا ہے، رسالہ میں اچھے اور سطحی دونوں قسم کے مضامین ہیں، لائق ذکر مضامین میں "مولانا محمد علی کی محشی کتابیں" اپنے اندر خاص ندرت رکھتا ہے، "انشا پردازی کے آداب" جناب محمد مجیب صاحب بی اے آکسن استاد

جامعہ نے سکھائے ہیں، "ہندوستان میں تعلیمی تحریک" پر لائق مدیر کا ایک پر مغز مضمون ہے، اسی طرح ایک مضمون "ہندوستان دوسرے ممالک کے مقابلہ میں" کے عنوان سے ہے، جس میں ہندوستان کے معاشی و تعلیمی حالات کا موازنہ دوسرے ممالک سے کیا گیا ہے، دوسرے سطحی مضامین بھی طلبہ کی استعداد کے لحاظ سے امید افزا ہیں،

اسمٰعیلی کا گولڈن جوبلی نمبر، اڈیٹر جناب علی محمد جان صاحب چارہ، حجم تقریباً ۳۰۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴، پتہ:- دفتر ہفتہ وار اسمٰعیلی بمبئی،

ہز ہائینس سر آغا خاں کی سنہری جوبلی کی شاندار تقریب ماہ جنوری ۱۹۳۶ء میں انجام پائی، اسی تقریب میں اسمٰعیلی فرقہ کے ہفتہ وار اخبار اسمٰعیلی نے گولڈن جوبلی نمبر کے نام سے اپنا ایک ضخیم خاص نمبر نفیس کاغذ اور اہتمام کی لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع کیا ہے، اس کے مضامین ہندوستانی (اردو) گجراتی، اور انگریزی زبانوں میں ہیں، جن میں خاندان فاطمی اسماعیلی اور فرقہ اسماعیلیہ کی اجمالی تاریخ اور ان کے ائمہ، قواد، دعاۃ، اور شعراء کے مختصر سوانح پیش کئے گئے ہیں، تاریخی واقعات کے بیان میں قدرۃً اسماعیلی فرقہ کا نقطۂ نظر ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن بعض واقعات سرے سے تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں، مثلاً قائد القواد جوہر صقلی کو "ابن عبد اللہ الکاتب" لکھ کر کہا گیا کہ وہ اتفاقاً مصائب روزگار کا شکار ہوگیا، المعز نے اسے آزاد کرایا، حالانکہ اسے صارب صقلبی نے سسلی میں گرفتار کیا تھا، اور مختلف ہاتھوں سے فروخت ہوتا ہوا، المنصور کے دربار میں پیش کیا گیا، اور اسی نے اسے آزاد کیا، اور وہ اسی زمانہ سے حکومت کے معاملات میں رفتہ رفتہ حصہ لینے لگا، "الکاتب" اس کے باپ کا لقب نہیں، خود اس کا تھا، المعز کے عہد میں ابتداءً عہدۂ کتابت پر سرفراز کیا گیا تھا، اس کے بعد سپہ سالاری کا منصب ملا، اور اس نے مختلف ملکی خدمات کے بعد مصر کو فتح کر کے قاہرہ اور جامع ازہر کی بنیاد ڈالی، اسی طرح شمس الدین تبریزی کے نام سے جو چند شخصیتیں مشہور ہیں ان میں سے مولانا روم کے شمس تبریزی کو

بھی فرقۂ اسماعیلیہ کا داعی بتایا گیا ہے، کہ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت قلعہ الموت میں انجام پائی، یہ بالکل نئی بات ہے، ایسی کوئی روایت تاریخ میں نظر سے نہیں گذری، البتہ وہ شمس الدین تبریزی جنکا مزار ملتان میں ہے غالباً اسمٰعیلی تھے، اس ضخیم مجلہ سے فرقۂ اسماعیلیہ کے متعلق یکجا سرسری معلومات حاصل ہوتے ہیں، جو شاید ہندوستانی زبان (اردو) میں خود اسی فرقہ کی طرف سے ذمہ دارانہ طور پر پہلی مرتبہ منظر عام پر لائے گئے ہیں، رسالہ صوری اعتبار سے ہندوستانی زبان کے تمام سالناموں میں بڑھا ہوا ہے، اسماعیلی ائمہ، دعاۃ، شعراء، حکماء، اور موجودہ ہز ہائنس اور ان کے کنبہ کی متعدد رنگین تصویریں شائع کی گئی ہیں، سر اقبال، مشیر حسین قدوائی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے مضامین اور پیغامات بھی ہیں،

زمانہ کا حالی نمبر، اڈیٹر جناب دیانرائن نگم بی اے، حجم تقریباً ۰۰ ا صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸

قیمت: ۱۲ ار پتہ :- دفتر زمانہ کانپور،

رسالہ زمانہ کانپور، ہندوستانی زبان کا قدیم خدمتگذار ہے، مولانا حالی مرحوم کی صد سالہ یوم ولادت کی تقریب میں اس نے اپنا حالی نمبر شائع کیا ہے، جس کے مختلف مضامین میں مولانا حالیؒ کی سیرت اور ان کی خدمت علم و ادب کے مختلف پہلو نمایاں کئے گئے ہیں، اور نظموں کے اقتباسات درج کئے گئے ہیں، نیز مولانا حالیؒ کے چند خطوط بنام مدیر زمانہ اس میں چھپے ہیں، "علمی نوٹ اور خبریں" رسالہ زمانہ کا مستقل عنوان ہے، وہ اس نمبر میں بھی موجود ہے، اس میں سودیشی تحریک سے متعلق چند استفسارات کے جوابات مولانا حالیؒ کے قلم کے لکھے ہوئے شائع کئے گئے ہیں، یہ استفسارات ۱۹۰۶ء میں مدیر زمانہ ہی نے کئے تھے، اور اسی زمانہ میں شائع کئے تھے، جن لوگوں نے مولانا حالیؒ کو فرقہ وارشاعر قرار دے کر ان کی صد سالہ سالگرہ میں بعض اکابر کی شرکت پر طعن و طنز کئے تھے ان کے لئے رسالہ زمانہ کا یہ حالی نمبر جو سراپا اخلاص سے شائع کیا گیا ہے، تازیانۂ عبرت سے کم نہیں ہے،

سالنامۂ ادبی دنیا، (مصور) اڈیٹر جناب منصور احمد صاحب بی اے، حجم ۲۰۹ صفحے،

تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت: عہ، پتہ: دفتر ادبی دنیا، کمرشل بلڈنگس، مال روڈ، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا کا سالنامہ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اچھا خاصہ شاندار شائع ہوا ہے، جس میں افسانے، ڈرامے، اور علمی و ادبی ہر قسم کے مضامین ہیں، جناب کیفی دہلوی نے اپنے مضمون "تاریخ اردو کا مطالعہ" میں اردو زبان کی پیدائش و نشو و نما سے متعلق ان نظریوں پر نظر ڈالی ہے، جن میں اس کا مولد دکن اور پنجاب کو قرار دیا گیا ہے، اور ان کا رد کر کے اسے پھر دہلی ہی کی طرف لوٹا لائے ہیں، حالانکہ اب یہ نظریہ ہی سرے سے لائق بحث نہیں رہا کہ اردو کی پیدائش کو کسی خاص صوبہ میں منحصر کر دیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں مسعودی (۳۰۳ھ) اصطخری (۳۴۰ھ) ابن حوقل (۳۶۷ھ) اور بشاری (۳۷۵ھ) کے بیانوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ ان زمانوں سے بہت پہلے عربی و فارسی زبانوں کا اختلاط ہندوستان کی صوبہ وار زبانوں سے ہو چکا تھا، ورنہ یوں اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ورود ہند کے تعلق سے جن دیسی زبانوں سے عربی و فارسی زبانیں پہلی مرتبہ مخلوط ہوئیں وہ سندھی، ملتانی، پھر پنجابی اور دہلوی ہیں، اس سلسلہ میں موصوف نے محمود غزنوی کے ہندی لشکر اور حکیم تلک کے غزنین میں موجود ہونے کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ ابھی تک اردو کی پیدائش کے ضمن میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ ارباب نظر اپنے مقالات میں اس سے پہلے اس سے ثبوت لا چکے ہیں، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون "اردو" میں بھی اول الذکر واقعہ موجود ہے،

عالمگیر کا خاص نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب محمد عالم صاحب، حجم ۲۰۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴

قیمت عہ، پتہ:- دفتر عالمگیر، بازار سید مٹھا، لاہور،

لاہور کے مشہور ادبی رسالہ عالمگیر کا سالنامہ بھی خاص نمبر ۱۹۳۶ء کے نام سے ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، جس میں مختلف دلچسپ ادبی مضامین اور افسانے چھپے ہیں، جناب سید حسن برنی نے البیرونی کی کتاب الہند کا ترجمہ شروع کیا ہے، اس کا پہلا باب، اس سالنامہ کا پہلا مضمون ہے، اس کے

علاوہ "خواجہ محمود گاواں" "آسکر وائلڈ کے خطوط" "حضرت مضطر خیر آبادی" (کے چند مکاتیب) کے عنوانوں سے مضامین ہیں، اور شعراء میں سے حضرت شاد عظیم آبادی، مضطر خیر آبادی، جلیل مانک پوری، امجد حیدر آبادی اور شفق عماد پوری وغیرہ کے کلام ہیں،

سالنامہ ادب لطیف، (مصور) اڈیٹر جناب چودھری برکت علی صاحب بی اے وجناب میرزا ادیب بی اے، حجم ۲۲۲ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{8}$، قیمت عمر، پتہ پنجاب بکڈپو نمبرہ لوئر مال لاہور،

رسالہ ادب لطیف تقریباً ایک سال سے جاری ہے، اور اس نے ادبی رسالوں میں اپنی اچھی جگہ حاصل کرلی ہے، اس کا سالنامہ ماہ دسمبر ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، جو ادبی و تاریخی مضامین پر مشتمل ہے، تاریخی مضامین میں "اکبر اور دین الٰہی" "عہد فیروز شاہی میں شاہی جشن" "کیا فیروز تغلق غاصب تھا" اور "مصحفی کا قیام دہلی" لائق ذکر ہیں، آخر الذکر مضمون میں مولوی عبد الحق صاحب کے مقدمہ مشتمل بر سوانح مصحفی کے بعض مسامحات کی تصحیح، مصحفی کے تذکروں میں سے ان کے معاصر شعراء کے حالات کے اقتباسات سے کیگئی ہے، جن میں مصحفی نے ضمناً اپنا بھی ذکر کیا ہے، حصۂ نظم میں مولانا ظفر علی خاں کی ایک تازہ نظم "بلالستان" سرِ صفحہ پر ہے، اسی طرح حضرت جلیل، حکیم الشعراء امجد، بیدم وارثی وغیرہ کے کلام ہیں،

ہمایوں کا سالگرہ نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب بشیر احمد صاحب بیرسٹر و جناب حامد علی صاحب بی اے، حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{8}$، قیمت: ۱۲/- ، پتہ: دفتر ہمایوں نمبر ۲۳، لارنس روڈ لاہور،

رسالہ ہمایوں ہندوستانی زبان کا قابل قدر سنجیدہ ادبی رسالہ ہے، جو اپنی ایک وضع پر گامزن ہے، اس کا سالگرہ نمبر ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، جو مختلف دلچسپ مضامین نظم و نثر کا حامل ہے، بزم ہمایوں میں سال بھر کے ہندوستانی رسالوں کا جائزہ لیتے ہوئے انکے مضامین "بے سود" و "سود مند" دو حصوں میں تقسیم کرکے نام بنام گنا دیئے گئے ہیں، لیکن ارباب شعور کو یہ بھی اجازت دیگئی ہے کہ وہ "سود مند" کو "بے سود" اور "بے سود" کو "سود مند" سمجھیں، اس موقع پر یہ مصرع بے اختیار

یاد آگیا، ؎ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی،

ساقی کا جاپان نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب شاہد احمد صاحب بی اے، دہلوی، حجم ۲۴۴ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{8}$، قیمت عہر، پتہ :- دفتر ساقی، کوچہ چیلاں، دہلی،

اس سال رسالہ ساقی کا سالنامہ "جاپان نمبر" کے نام سے شائع ہوا ہے، جسے پروفیسر نور الحسن صاحب برلاس استاذ اردو مدرسۃ السنہ غیر تو کیو جاپان کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے، انھوں نے اپنے مضامین کے علاوہ جاپان کے مدارس کے دوسرے اساتذہ سے بھی مضامین حاصل کرکے ان کے ترجمے بھیجے ہیں، اسی طرح دوسرے مسلمانانِ ہند مقیم جاپان، جناب عبد القدیر نیاز، طفیل احمد چغتائی، سید لطیف حسین دہلوی، سید محمد شاکر تراب علی ندوی، ایم سہائے، قمر النساء حسن، حنیفہ رشید فتح علی، اور مسز برلاس نے بھی مضامین سے معاونت کی ہے، ان مضامین سے جاپان کی تاریخ، آثار، تہذیب، معاشرت، سیاست، تجارت اور علم و ادب کے حالات آشکارا ہوتے ہیں، اور ان گوناگوں معلومات کے لحاظ سے اس نمبر کو جاپانی تمدن کا آئینہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا،

سالنامہ سفیر سخن، (مصور) اڈیٹر جناب ابو الکیف کیفی، حجم ۲۴۴ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{8}$، قیمت عہر، پتہ :- دفتر سفیر سخن، پشاور (سرحد)

سفیر سخن، پشاور کا کامیاب ادبی مجلہ ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اپنے پچھلے سالنامہ سے بہتر ہے، اس کے مضمون نگاروں میں بیشتر صوبہ سرحد ہی کے ارباب قلم ہیں، جن کے مضامین سے صوبہ سرحد کی ادبی و علمی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے، نیز ملک کے چند دوسرے اہل قلم نے بھی مضامین بھیجے ہیں، جن میں سے اکثر اچھے اور پر معلومات ہیں، کارکنان رسالہ ہندوستانی زبان کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں، خدا ان کی مساعی بارآور فرمائے،

تنویر کا سالگرہ نمبر، اڈیٹر جناب حمید افسری، حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۸/

پتہ:- دفتر تنویر، رام سوامی کوارٹر، کراچی،

یہ رسالہ ایک سال سے کراچی سے جاری ہے، اور ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اس کا سالگرہ نمبر ماہ ستمبر میں شائع ہوا ہے، جس میں مختلف ادبی مضامین نظم و نثر ہیں، رسالہ کو اس کے کارکن باوجودیکہ حکومت بمبئی نے ڈیکلریشن تک دینے سے انکار کر دیا ہے، زبان کی خدمت کے جذبہ کے ساتھ کامیابی سے چلا رہے ہیں، اور یہ ہماری ہندوستانی زبان کے "ہندوستانی" ہونے کی ایک بڑی نشانی ہے،

سالنامۂ شاہجہاں، اڈیٹر جناب سید وحی اشرف صاحب دہلوی، حجم ۱۰۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۸/ پتہ:- دفتر شاہجہاں دہلی،

اس رسالہ میں صرف افسانے چھپتے ہیں، اور اس کا سالنامہ بھی صرف افسانوں پر مشتمل ہے، جن میں سے اکثر مشاق افسانہ نویسوں کے لکھے ہوئے ہیں اور اچھے ہیں،

سالنامۂ مجلہ سلفیہ، اڈیٹر مولوی سید عبدالحفیظ صاحب نیر گیاوی، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۸/ پتہ:- دفتر مجلہ سلفیہ، لہریا سرائے، دربھنگہ،

یہ مذہبی رسالہ ہے جو دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے جاری ہے، اس کا سالنامہ ماہ دسمبر ۳۵ء میں شایع ہوا ہے، جس میں اصلاحی و تبلیغی اور بعض ادبی مضامین ہیں،

ہونہار کا سالگرہ نمبر، اڈیٹر جناب فیاض حسین صاحب نسیم جامعی، ۱۰۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۸/ پتہ:- دفتر ہونہار، دہلی،

یہ بچے اور بچیوں کا ماہانہ رسالہ ہے، اسکا سالگرہ نمبر ماہ جنوری میں شایع ہوا ہے، مضامین بچوں کیلئے دلپسند اور کارآمد ہیں، بچوں کی دلچسپی کی تصویریں، اور بچیوں کیلئے کشیدہ کاری وغیرہ کے معلومات بھی ہیں، بچوں کیلئے اسکا مطالعہ مفید اور سبق آموز ہوگا،

ہندوستانی زبان کے چند اور نئے رسالے

گذشتہ مہینہ میں چند نئے رسالوں کا تذکرہ باقی رہ گیا تھا، وہ حسب ذیل ہیں:-

باغ و بہار دہلی (ماہانہ) مدیر جناب سعدی مچھلی شہری، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸

پتہ:- نمبر ۵، کلائیو روڈ، نئی دہلی،

یہ ادبی رسالہ ہے، جو ہندوستانی رسالوں میں سب سستا ہے، ماہ فروری ۱۹۳۶ء سے جاری ہوا ہے، پہلا مضمون جناب ڈاکٹر جعفری، ڈائرکٹر پبلک انفارمیشن حکومت ہند کا "ہندوستان کی حکومت" کے عنوان سے ہے، جس میں انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی "ابتری" اور ان کے آنے کے بعد حکومت برطانیہ کے "برکات" دکھائے گئے ہیں، رسالہ میں ایک لائق ذکر چیز غالب کے آخر دور کے چند غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت ہے، افسوس کہ اس میں تصحیح و کتابت کی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں، دوسرے مضامین بھی اچھے خاصے ہیں،

رفیق الطلبہ پونا (ششماہی) اڈیٹر جناب رفیق احمد زکریا، حجم حصہ اردو ۵۵ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸

قیمت ۸/، پتہ:- انیگلو اردو ہائی اسکول، پونا،

یہ اردو ہائی اسکول پونا کے طلبہ کا ترجمان ہے، جسے علاقہ پونا میں واحد ہندوستانی رسالہ کے ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ ہندوستانی اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکلتا ہے، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے، کہ رسالہ سات برس سے ایک ایسے مقام پر ہندوستانی زبان کی خدمت انجام دے رہا ہے، جہاں ایک طرف صوبہ کی مستقل مرہٹی زبان اپنا اثر جمائے ہے، اور دوسری طرف وہیں ہندی زبان کو ہندوستان کی عام زبان تسلیم کرانے کی تحریک

زور شور سے اوٹھائی گئی ہے، رسالہ اپنی استعداد کے لحاظ سے قابلِ قدر ہے، اور طلبہ مین زبان و انشاپردازی کا اچھا [illegible] مذاق پیدا کر رہا ہے، رسالہ سلیقہ سے مرتب کیا جاتا ہے، علمی و ادبی، تاریخی اور تعلیمی مضامین علحدہ علحدہ مستقل عنوان [illegible] شائع کئے جاتے ہین،

موسیقار، دہلی (مصور) مدیر جناب عزیز منشی فاضل، حجم ۵۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ ۴؎ ہر پرچہ ۶ر، پتہ:- نئی دہلی، دہلی،

یہ ادبی رسالہ ہے، جو ہندوستانی زبان کی خدمت کے لئے ماہ اکتوبر سے نکلا ہے، ادبی و تاریخی مضامین چھپتے ہین، اور افتتاحیہ کے صفحوں میں ہندوستان کے سیاسی مذہبی، اور اجتماعی مسائل پر رائے زنی کیجاتی [illegible]

واعظ لاہور (ماہانہ) اڈیٹر مولوی حفیظ اللہ صاحب قریشی، ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت عہ سالانہ، پتہ:- فاروق گنج، لاہور،

یہ بھی ایک مذہبی رسالہ ہے، جسمین مسلمانون کی مذہبی صلاح و فلاح کیلئے مضامین چھاپے جاتے ہین، مضامین کیلئے پہلے کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی کوئی قید نہیں ہے،

مبلغ امرتسر (ماہانہ) اڈیٹر مولوی محمد اسحٰق صاحب حنیف امرتسری، ۳۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت عمہ، پتہ:- رسالہ مبلغ و حقانی بک ڈپو، امرتسر،

یہ تبلیغی رسالہ ہے، اس میں بھی مطبوعہ و غیر مطبوعہ ہر قسم کے مضامین چھپتے ہین، رسالہ مسلمانون کے مذہبی اختلافات مٹا کر ان مین وحدتِ اسلامی پیدا کرنا چاہتا ہے،

اجمل میگزین بمبئی (ماہانہ) ناظر جناب حکیم علی محمد خان صاحب دہلوی، ۵۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ عا، پتہ، کوٹھاری مینشن، مقابل جنرل پوسٹ آفس، بوری بندر، بمبئی نمبر ۱،

یہ طبی رسالہ ہے، جسمیں عام فہم طبی معلومات چھپتے ہین، اور طب جدید کے مقابلہ میں طب قدیم کی حمایت کیجاتی ہے، حفظانِ صحت، طبی معلومات، دواسازی، الادویہ، الامراض والعلاج، مجربات، سوالات

انتقادیات، وغیرہ اسکے مستقل عنوان ہین،

طبی میگزین پٹنہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم ظفر صاحب مہر بوی، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ عہر، پتہ:- گورنمنٹ طبیہ اسکول، بانکی پور، پٹنہ،

یہ رسالہ پٹنہ کے گورنمنٹ طبیہ اسکول کا آرگن ہے، جو چند سال سے وہان کے اساتذہ کی نگرانی مین جاری ہے، اور مفید طبی معلومات کا حامل ہوتا ہے،

چشمۂ صحت دہلی، (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید زاہد حسین صاحب کاظمی، ۵۰ صفحے، تقطیع ۲۲×۲۹/۸، قیمت سالانہ ۱۲ر، پتہ:- ہمدم دواخانہ یونانی، دہلی، پوسٹ بکس نمبر ۱۰، دہلی،

یہ ہمدم دواخانہ یونانی دہلی کا آرگن ہے، پہلا پرچہ ماہ جولائی ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے، اس میں طب قدیم و جدید دونون سے ماخوذ مضامین شائع ہوتے ہین، ۳۰ صفحے مضامین اور باقی صفحات فہرستِ ادویہ کیلئے ہین، اس لحاظ سے اسکی سالانہ قیمت ۱۲ر اور ہر پرچہ ۱ر غیر معمولی حدتک کم ہے،

طبی دنیا دہلی (ماہانہ) حجم ۴۰ صفحات، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ ۱۲ر، ہر پرچہ ۱ر، پتہ بڑا دواخانہ دہلی، پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵، دہلی،

یہ رسالہ دہلی کے مشہور "بڑا دواخانہ" کا آرگن ہے، یونانی طب اور ویدک کی حمایت میں مضامین اور دوائوں کی فہرستیں چھاپی جاتی ہین،

حامی الصحت دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم احمد حسن خانصاحب کوکب نظامی، ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- کوچہ چیلان، دہلی،

یہ طبی رسالہ جناب حکیم حافظ علی رضا خان صاحب کی نگرانی میں نکلتا ہے، جو دواخانہ حامی الصحت کے مالک ہین، "طبی معلومات" "حفظانِ صحت" اور "تربیت اطفال" وغیرہ کے عنوان سے مضامین چھپتے ہین

مطبوعات جدیدہ

تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم مؤلفہ قاضی بدر الدین بن جماعہ المتوفی ۷۳۳ھ، ملنے کا پتہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن،

قیمت، نامعلوم،

یہ ساتوین صدی کے ایک صاحب علم کی تصنیف ہے جس کا موضوع و مقصد یہ ہے، کہ علما و طلبہ کو بہترین اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب دی جائے، لیکن اسی کے ساتھ اس مین ضمناً تعلیم کے بہت سے ایسے قدیم اصول آگئے ہین، جو اور کسی کتاب مین نہیں مل سکتے، اسی حالت مین دائرۃ المعارف العثمانیہ کا یہ علمی احسان ہو کہ اس نے یہ کتاب شائع کی، لیکن یہ احسان اسلئے اور بھی وقیع ہو گیا ہے، کہ تعلیم کے جو قدیم اصول ضمناً و طبعاً اس کتاب مین آگئے تھے، ان کو دائرہ نے حاشیہ مین الگ جمع کر دیا ہی، اور اس طرح اگر ہم قدیم تعلیم کے اصول پر کوئی مضمون یا کوئی رسالہ لکھنا چاہین، تو اس کتاب سے اور اس کتاب سے زیادہ اسکے حواشی سے ہمکو مدد مل سکے گی،

تفسیر سورۃ الفیل، مؤلفہ مولینا حمید الدین صاحب مرحوم پتہ دائرہ حمیدیہ، سرائے میر اعظم گڈہ، قیمت ۲ر

مولینا حمید الدین صاحب مرحوم کی تفسیر القرآن کے جو اجزاء شائع ہو چکے ہین، ان میں سورۂ فیل کی تفسیر نہایت اہم ہے، اس میں انھون نے بہت سی باتون مین قدیم مفسرین سے اختلاف کیا ہے، اور مختلف شواہد اور اشعار عرب سے اس اختلاف کی تائید کی ہے، اور خانہ کعبہ کی تاریخ اور فضیلت کے متعلق

بہت سی نادر اور مفید باتین لکھی ہیں، کتاب عربی زبان مین ہے، اور علماء و فضلاء کے خاص مطالعہ کے قابل ہے، مسرت ہے، کہ ہندوستانی زبان مین بھی اس کا ترجمہ الاصلاح میں باقساط شائع ہو رہا ہے،

بہادر شاہ ظفر، مرتبہ مولوی علی احمد صاحب علوی بی، اے، پنشنر ڈپٹی کلکٹر ضخامت ۵۲ صفحات، قیمت ۸ر، پتہ جناب محمد زکی صاحب علوی، امیر محل لائبریری نعیم باغ کاکوری لکھنؤ

اس کتاب میں بہادر شاہ ظفر کے سوانح و حالات لکھے گئے ہین، اور ان کے اخلاق و عادات دین و مذہب اور صوفیانہ رجحان پر نہایت سنجیدہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، اخیر میں ان کی شاعری کے معائب و محاسن پر تفصیلی بحث ہے، اور اس میں مولوی محمد حسین صاحب آزاد کے اس خیال کی کہ ظفر کے تین دیوان شیخ ابراہیم ذوق کی تصنیف ہین، معقول دلائل سے تردید کی گئی ہے، کتاب فی الجملہ دلچسپ اور عمدہ معلومات پر مشتمل ہے، البتہ اگر ماخذون کے حوالے بھی دیدیئے جاتے، تو وہ اور زیادہ وقیع اور مستند ہو جاتی،

کمال داغ، یعنی انتخاب دواوین داغ دہلوی، مع مقدمۂ تنقیدی، مرتبہ مولینا حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ، حجم ۲۵۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ آگرہ اخبار پریس آگرہ

نواب مرزا داغ کا شمار اردو زبان کے مایۂ ناز شعراء میں ہے، رامپور میں جسوقت نواب کلب علی خان بہادر کی قدردانی سے لکھنؤ کے تمام اساتذہ ایک جگہ جمع ہو گئے تھے، نواب مرزا داغ نے تنہا دلی کی شاعری کا وقار قائم رکھا، اسلئے اگر ان کی شاعری پر ریویو لکھا جائے، تو اردو شاعری کے دور آخر مین لکھنؤ اور دلی کی شاعری کا جو رنگ تھا، اور رامپور میں اردو شاعری کی تاریخ کا جو نیا دور قائم ہو رہا تھا، ان سب پر تفصیل بحث کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور اسوقت رامپور میں جن اساتذہ کا اجتماع ہو گیا تھا، ان سب کی شاعری سے ضمناً بحث کرنا ہو گی، اس انتخاب کے مقدمۂ تنقیدی میں اگرچہ اسقدر جامعیت تو نہیں پائی جاتی، تاہم داغ کی شاعری پر ریویو کرنے کے لئے سرسری نظر مین جسقدر ابواب قائم کئے جا سکتے تھے، اس مقدمہ میں تقریباً سب کے سب قائم کر دیئے گئے ہین، اور ان پر غور و فکر کے ساتھ تسکین بخش بحث کی گئی ہے،

اس مقدمہ کے بعد داغ کے چارون دیوانون کا مختصر انتخاب ہے، انتخاب مین ہر شخص کا مذاق جدا گانہ ہوتا ہے تاہم اگر اسی قدر مختصر انتخاب مدنظر تھا، تو بھی ہمارے خیال مین اس سے زیادہ بلند بہتر، اور رنگین اشعار منتخب کئے جا سکتے تھے، اور مقدمہ تنقیدی مین جو سُرخیان قائم کی گئی ہین، وہ اس انتخاب مین بھی قائم کی گئی تھین، اور اس طرح یہ انتخاب زیادہ جامع اور متنوع مضامین کا مجموعہ ہو جاتا، پھر بھی اس مجموعۂ انتخاب سے داغ کی شاعری کے رنگ کا اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہی حاصلِ انتخاب ہے،

الزہرات، نتیجۂ فکر مولوی عبد الرحمن کاشغری ندوی، ضخامت ۱۱۰ صفحات، پتہ: مکتبۃ الضیاء لکھنؤ، قیمت:- ۸؍

دار العلوم ندوۃ العلماء کو ہمیشہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے، کہ وہان کے تعلیم یافتہ علماء عربی علم ادب کا خاص ذوق رکھتے ہین، اور عربی نظم و نثر مین اون کی یہ امتیازی شان واضح طور پر نمایان ہوتی ہے، نثر مین اون کی یہ خصوصیت مجلۃ الضیاء کے مضامین سے واضح ہوتی ہے، جو زیادہ تر وہین کے طلبہ و فضلاء لکھتے ہین، نظم مین مولوی عبد الرحمن کاشغری کو تفوق خاص حاصل ہے، اور یہ الزہرات انہی کا دیوان ہے، جو مختلف اصنافِ سخن پر حاوی ہے، ابتداء مین مولوی مسعود عالم ندوی مدیر الضیاء نے ایک مفید اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے، جس مین اختصار کے ساتھ عربی شاعری کی تاریخ لکھی ہے، بالخصوص ہندوستان مین عربی علمِ ادب کی جو حالت رہی ہے، اس پر عمدہ تبصرہ کیا ہے، اور اس کے بعد اس دیوان کی خصوصیات کو روشناس کیا ہے، عربی زبان کے طلبہ و علماء جو ادبی ذوق رکھتے ہون، ان کو اس دیوان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے،

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، از جناب زہرا بیگم بنت خان صاحب محب حسن انجنیئر اٹاوہ؛

ناشر مہتمم بچون کا کتب خانہ نمبرہ کماٹیور ووڈ نئی دہلی ۳۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت:- ۲؍

اس مین بچون کیلئے سہل اور آسان زبان مین آنحضرت صلعم کی سیرت پاک بیان کی گئی ہے، "ع"

جلد ۳۷ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۶ء | عدد ۴

مضامین